ماہنامہ

اشراق

لاہور

اکتوبر ۲۰۲۵ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

طالب محسن

مدیر انتظامی

جواد احمد غامدی

1979 سے جاری شدہ

اشاعت کے 46 سال

”ظلم و ستم کے مقابلے میں مزاحمت کی طاقت میسر نہ ہو تو صبر یا ہجرت ہی واحد راستہ ہے، جس کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے... ماننے والے جب اِس صورت حال سے دوچار ہوئے تو آپ نے اُن کو وقت سے پہلے کسی مزاحمت کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ ہجرت ہی کی تلقین فرمائی تھی۔“

—— معارف نبوی

- انسان کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے چند چیزیں کافی تھیں، مگر یہ جس تنوع اور گوناگونی کے ساتھ پیدا کی گئی ہیں، اُس سے ظاہر ہے کہ اِس کائنات کے خالق کی قدرت و حکمت اور اُس کی رحمت و ربوبیت کی یاددہانی مقصود ہے۔ (قرآنیات)
- ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ہیئت اجتماعی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی سعی کرے۔ اس نقطۂ نظر کے حاملین دو طریقوں سے اس مقصد کو حاصل کرنے کی سعی کر رہے ہیں: ایک یہ کہ انقلابی جماعت بنائی جائے اور انقلابی جدوجہد کر کے اس مقصد کو حاصل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ مذہبی سیاسی جماعت بنائی جائے اور وہ انتخاب جیت کر ریاست کو اسلامی بنانے کا کام کرے۔ (شذرات)
- ایک دن وہ سفر بھی پیش آنے والا ہے جو تم کو سیدھا تمھارے پروردگار کے حضور پہنچا دے گا اور وہاں تنہا وہی ہو گا جس کے آگے اِن نعمتوں کے بارے میں جواب دہ ٹھیرائے جاؤ گے کہ اِن کو تم نے کس طرح استعمال کیا اور استعمال کرتے وقت اِن کے دینے والے کو کتنا یاد رکھا۔ (قرآنیات)

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

ماہنامہ
اشراق
لاہور
زیرسرپرستی
جاوید احمد غامدی

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

مدیر
طالب محسن

مدیر انتظامی
جواد احمد غامدی

جلد ۳۷ | شمارہ ۱۰ | اکتوبر ۲۰۲۵ء | ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ

فہرست

شذرات
دین کا مخاطب: فرد یا سماج | طالب محسن | ۴
قرآنیات
البیان: الزخرف ۴۳: ۱-۲۵ (۱) | جاوید احمد غامدی | ۸
معارف نبوی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی ہجرتِ حبشہ | جاوید احمد غامدی/محمد رفیع مفتی/محسن ممتاز | ۱۷
سیر و سوانح
السابقون الاولون من الانصار (۹) | محمد وسیم اختر مفتی | ۴۱
نقطۂ نظر
علامات قیامت: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (۳) | ڈاکٹر محمد سعد سلیم | ۴۷
مختارات
کیا خواتین مردوں سے کم عقل ہیں؟ | ڈاکٹر شہزاد سلیم / کوکب شہزاد | ۵۸
حالات و وقائع
تیس روپے اور 'پولیس جسٹس' | خورشید احمد ندیم | ۶۱
شخصیات
حیات امین احسن (۲۵) | محمد بلال | ۶۴

مجلس علمی
ڈاکٹر منیر احمد | محمد رفیع مفتی
طالب محسن | محمد وسیم اختر مفتی
ڈاکٹر عبید الرحمٰن | ڈاکٹر ساجد حمید
ڈاکٹر شہزاد سلیم | آصف افتخار
ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر | خورشید احمد ندیم
اظہار احمد | کوکب شہزاد
جنید حسن | مشفق سلطان

مجلس ادارت
شاہد رضا | نعیم احمد

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
https://www.javedahmedghamidi.org/#!/ishraq
https://www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
https://www.facebook.com/monthlyishraq

طالب محسن

دین کا مخاطب: فرد یا سماج

قرآن مجید میں متعدد ایسی آیتیں ہیں جن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دین کا مخاطب اصلاً فرد ہے۔

قرآن مجید اس عظیم خبر کی منادی ہے کہ ایک دن قیامت برپا ہو گی اور تم سب کو اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے:

فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ. وَخَسَفَ الۡقَمَرُ. وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ. يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ. كَلَّا لَا وَزَرَ. اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ اِۨلۡمُسۡتَقَرُّ. يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ. (القیامہ ۷۵: ۷-۱۳)

”پھر جب دیدے پتھرائیں گے اور چاند گہنائے گا اور سورج اور چاند، دونوں اکٹھے کر دیے جائیں گے۔ تو یہی انسان اُس دن کہے گا: اب کہاں بھاگ کر جاؤں۔ ہرگز نہیں، اب کہیں پناہ نہیں! اُس دن تیرے رب ہی کے سامنے جا ٹھیرنا ہو گا۔ اُس دن انسان کو بتایا جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا ہے۔“

قرآن مجید نے ایک مقام پر صراحت کر دی ہے کہ اللہ کے دربار میں یہ حاضری انفرادی ہو گی:

وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِيۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ

”لو، بالآخر ویسے ہی اکیلے اکیلے ہمارے پاس آ گئے ہو، جیسے پہلی مرتبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا تھا۔ جو کچھ (دنیا میں) تمھیں دیا تھا، وہ سب پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور تمھارے ساتھ ہم تمھارے اُن

تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ وَضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ.(الانعام ۶: ۹۴)

سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے بارے میں تم سمجھتے تھے کہ تمھارے معاملے میں ہمارے شریک ہیں۔ تمھارے سب رشتے ٹوٹ گئے اور جو کچھ گمان تم کیے بیٹھے تھے، وہ سب تم سے جاتے رہے ہیں۔‘‘

سورۂ مریم میں ہے:

وَکُلُّھُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا.(۱۹: ۹۵)

’’اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اُس کے سامنے اکیلا حاضر ہو گا۔‘‘

ان آیات کا مضمون اصلاً تو یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی ساتھی اور مددگار نہیں ہو گا، لیکن اس کا یہ نتیجہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وہاں ہر ایک کو اپنے اعمال کا بوجھ خود اٹھانا ہے، یعنی وہ اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے اور اسے ہی اس کا حساب دینا ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی. وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی.(النجم ۵۳: ۳۸-۳۹)

’’یہ کہ کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کو آخرت میں وہی ملے گا جو اُس نے دنیا میں کمایا ہے۔‘‘

ان آیات اور متعدد دوسری آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ اور دین کا معاملہ فرد سے ہے۔ ہر فرد اپنی انفرادی حیثیت میں حق پرستی، حق گوئی، حق ادائی اور اتباع حق کے امتحان میں ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں ایسے احکام بھی دیے گئے ہیں جن کی تعمیل کا ذمہ دار نظم اجتماعی ہے۔ جیسے جرائم کی سزائیں، زکوٰۃ کا اخذ و صرف، مساجد کا اہتمام اور جہاد وغیرہ۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے یا نہیں کہ وہ اپنے اجتماعی وجود میں بھی دین کی تعلیمات کو پوری طرح اپنائیں؟ بطور خاص یہ سوال اس حادثے کے بعد زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے جب مغربی قوموں نے مسلمانوں کے مفتوح ممالک کو مغربی ریاستوں کے منہج پر استوار کر دیا۔ مراد یہ ہے کہ قانون وہ نافذ ہو گیا جو انسانوں کا بنایا ہوا تھا۔ ریاست کا سانچا وہ بنا دیا گیا جسے ’قومی ریاست‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جس طرح مسلمان قیامت کے دن اپنی ذاتی زندگی میں دین کے احکام کی خلاف ورزی پر ماخوذ ہوں گے، کیا

اسی طرح اپنی اجتماعی زندگی میں دین سے بے گانگی پر ماخوذ نہ ہوں گے؟

اللہ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی عملاً تو ہو سکتی ہے، لیکن کوئی مسلمان اصولاً کسی دینی حکم سے انحراف کو درست قرار دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ انفرادی زندگی میں جسے اللہ توفیق دے وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ دین کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے اور جہاں کوتاہی یا نافرمانی ہوتی ہے، اللہ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔ دین کے اجتماعی تقاضے پورے کرنے میں بھی مسلمانوں نے ہر جگہ اسی حساسیت کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس باب میں بنیادی طور پر دو نقطۂ نظر ہیں:

ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ہیئت اجتماعی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی سعی کرے۔ اس نقطۂ نظر کے حاملین دو طریقوں سے اس مقصد کو حاصل کرنے کی سعی کر رہے ہیں: ایک یہ کہ انقلابی جماعت بنائی جائے اور انقلابی جدوجہد کر کے اس مقصد کو حاصل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ مذہبی سیاسی جماعت بنائی جائے اور وہ انتخاب جیت کر ریاست کو اسلامی بنانے کا کام کرے۔ ایک موقف اور بھی ہے اور وہ یہ کہ مسلمان دین سے دور ہیں، اسی لیے ان کی ریاست بھی بے دین ہے۔ چنانچہ تبلیغی جدوجہد کی جائے۔ جب یہ جدوجہد مسلمانوں کی بڑی اکثریت کو دین پر باعمل بنا دے گی، وہ قیادت بھی خود بخود پیدا ہو جائے گی جو ریاست کو دین کے احکام کے مطابق چلائے گی۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ ذمہ داری ہر مسلمان کی نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری ان ذمہ داریوں میں سے ہے جو فرد پر اس کی حیثیت کے اعتبار سے عائد ہوتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ صرف اسی پر فرض ہے جو صاحب مال ہے۔ اگر کوئی صاحب مال نہیں تو وہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر گناہ گار بھی نہیں ہے، حتیٰ کہ اس کی یہ ذمہ داری بھی نہیں ہے کہ وہ اتنا مال جمع کرنے کی کوشش کرے کہ زکوٰۃ کا فرض ادا کر سکے۔ اسی طرح جو لوگ اپنی صلاحیت، جدوجہد اور کچھ سماجی حالات کے توافق سے یہ حیثیت حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ ارباب حل و عقد ہیں، یہ ان کی ذمہ داری ہے اور قیامت کے دن اپنی اس باب میں بے عملی پر وہی جواب دہ ہوں گے۔ اس نقطۂ نظر کے حاملین کے نزدیک عام آدمی تو اپنی بساط کے مطابق دین پر عمل کرنے اور اپنے ماحول میں حق کی تلقین کرنے ہی کا مکلف ہے۔ البتہ اہل علم کی جہاں یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت کا کام کریں، وہاں ان کے پاس اگر اس بات کا موقع ہے کہ وہ ارباب حل و عقد کو ان کے فرائض یاد دلائیں تو ان کو یہ بھی کرنا چاہیے۔

جہاں اس سوال پر غور ہونا ضروری ہے کہ ان میں سے کون سا نقطۂ نظر درست ہے، کون سی حکمت عملی ٹھیک

ہے، وہاں یہ سوال بھی تدبر و تفکر کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کے اندرونی اور بیرونی اہداف کیا ہیں؟ فرد اپنی اسلامی شناخت کے کن پہلوؤں کو ہیئت اجتماعی کے بغیر قائم رکھ سکتا اور کن پہلوؤں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی ضمن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے انفرادی وجود، شعور اور شناخت کی بقا اور نمو سے دست بردار نہیں ہو سکتا تو کیا وہ اپنے اجتماعی وجود، شعور اور شناخت کی بقا اور نمو سے دست بردار ہو سکتا ہے؟ قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ دینی ذمہ داریاں ایک تو وہ ہیں جو نصوص قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہیں۔ کیا میری ذمہ داریاں وہ نہیں ہیں جو میرے دین کے ساتھ تعلق کے تقاضے سے پیدا ہوتی ہیں؟

البیان

جاوید احمد غامدی

الزخرف - الدخان

۴۳ —— ۴۴

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں کا موضوع توحید کے منکرین کو انذار ہے۔ پہلی سورہ میں، البتہ توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کا پہلو نمایاں ہے اور دوسری میں انذار کا جس میں اُن لوگوں کے لیے سخت تہدید اور اِس تہدید کے دلائل و قرائن کی وضاحت ہے جو توحید کی اِس دعوت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا افترا قرار دے رہے تھے اور اِس طرح قرآن کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے کہ یہ اِنھی کا گھڑا ہوا ہے جسے خدا کی کتاب کہہ کر پیش کیا جا رہا ہے۔ قرآن کی عظمت و شان اور اُس کے اہتمام نزول کا مضمون اِسی رعایت سے بیان ہوا ہے۔ دونوں سورتوں کو ایک ہی آیت سے شروع کر کے قرآن نے اِن کے اِس تعلق کی طرف خود اشارہ کر دیا ہے۔

اِن سورتوں میں خطاب قریش سے ہے اور اِن کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ ہجرت و براءت میں نازل ہوئی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة الزخرف

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ﴿۳﴾
وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ؕ﴿۴﴾

۱

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ 'حٰمٓ' ہے۔[۱] یہ واضح کتاب (آپ ہی اپنی) گواہی ہے۔[۲] ہم نے اِس کو عربی قرآن بنا کر اتارا ہے، اِس لیے کہ تم سمجھو۔[۳] اور بے شک، یہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے،[۴] نہایت بلند اور

۱۔ پہلی سورتوں کی طرح اِس سورہ کا نام بھی 'حٰمٓ' ہے۔ یہ اشتراک مطالب پر دلیل ہے اور اِسے قرآن کا ہر طالب علم تمام حوامیم میں بالکل نمایاں دیکھ سکتا ہے۔ اِس نام کے معنی کیا ہیں؟ اِس کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر ہم نے سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت بیان کر دیا ہے۔

۲۔ اصل میں 'وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں 'وَ' قسم کے لیے ہے۔ اِس قسم کا مقسم علیہ محذوف ہے اور لفظ 'مُبِیۡن' اِس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، گویا آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

۳۔ یہ امتنان واحسان بھی ہے اور اتمام حجت بھی۔ اِس کے بعد، ظاہر ہے کہ وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکتے تھے کہ

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾ وَکَمۡ
اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶﴾ وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾
فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾

حکمت سے لبریز۔[۵] ۱-۴

پھر کیا تمھاری تذکیر سے ہم صرف اِس لیے صرف نظر کر لیں[۶] کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو؟ (ہرگز نہیں، ہم اپنی حجت پوری کریں گے)۔ ہم نے اگلوں میں بھی کتنے ہی نبی رسول بنا کر بھیجے۔ تاہم جو نبی بھی اُن کے پاس آتا، وہ اُس کا مذاق ہی اڑاتے تھے۔ پھر ہم نے اُن کو کہ تمھارے اِن منکروں سے کہیں زیادہ زور والے تھے، ہلاک کر ڈالا اور اگلوں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔[۷] ۵-۸

مخاطب عربی اور کلام عجمی!

۴۔ یعنی لوح محفوظ میں، جو تمام علم کا سرچشمہ ہے، لٰہذا کوئی شخص اِسے شیاطین کا القا اور کاہنوں کی کہانت یا محض شاعری اور خطابت گمان کر کے اِس کا مذاق اڑانے کی کوشش نہ کرے۔

۵۔ اِس لیے کہ جس کا یہ کلام ہے، وہ بھی نہایت بلند مقام اور سراسر حکمت ہے اور ہر کلام اپنے متکلم ہی کی صفات کا آئینہ ہوتا ہے۔ چنانچہ پچھلی سورہ میں بعینہٖ یہی الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی آئے ہیں۔

۶۔ آیت میں 'صَفۡحًا' ہمارے نزدیک مفعول لہٗ کے مفہوم میں ہے اور اِس کے معنی چشم پوشی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب خدا نے تمھارے اندر اپنی دینونت کو ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اِس باب میں خدا کی سنت اب پوری ہو کے رہے گی۔ اِسے محض اِس بنا پر ادھورا نہیں چھوڑ دیا جائے گا کہ تم لوگ سرکشی کر رہے ہو۔ خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ جب کسی قوم کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کو لازماً اُس کے انجام تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

۷۔ یہ اشارہ عاد و ثمود اور اُن قوموں کی طرف ہے جن پر عذاب کی تفصیلات پیچھے جگہ جگہ بیان ہو چکی ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ
الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

اور اگر تم اِن سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو لازماً یہی جواب دیں گے کہ اِن کو خداے عزیز و علیم نے پیدا کیا ہے۔ ۹

(وہی)[8] جس نے زمین کو تمھارے لیے گہوارہ بنایا اور اُس میں تمھارے لیے راستے نکالے[9] کہ تم راہ پاؤ۔[10] اور جس نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ[11] پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے سے ہم نے مردہ بستی کو حیات تازہ بخش دی۔[12] اِسی طرح تم بھی (ایک دن) قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ اور

۸۔ یہاں سے آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تضمین ہے، یہ مشرکین کے جواب کا حصہ نہیں ہے اور اِس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہو، اُس کے تضمنات یہ بھی ہیں، اگر تم غور کرو۔

۹۔ یہی راستے ہیں جن کی وجہ سے انسان فلک بوس پہاڑوں کے اندر محبوس اور لق و دق صحراؤں میں بے منزل کا مسافر ہو کر نہیں رہ گیا ہے۔

۱۰۔ یعنی راستہ معلوم کرو اور جہاں پہنچنا چاہتے ہو، پہنچ جاؤ۔ نیز خدا کی اِن بے پایاں عنایتوں پر غور کرو اور وہ راستہ بھی پا لو جس کی دعوت یہ قرآن تمھیں دے رہا ہے۔

۱۱۔ یعنی اتنا ہی جس کا تحمل یہ زمین کر سکتی ہے اور جتنا اُس پر زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اِس سے یہ بات نکلی کہ یہ ایک عزیز و علیم کے قائم کردہ نظم کے تحت اترتا ہے اور اِس کو تنہا وہی اتارتا ہے، ورنہ اِس کا یہ نظم اور زمین میں زندگی پیدا کرنے اور اُس کو برقرار رکھنے کے ساتھ اِس کی یہ موافقت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

۱۲۔ آیت میں متکلم کا صیغہ اہتمام خاص پر دلیل ہے اور یہ اہتمام خاص اِس لیے ہے کہ اِس سے کائنات کی

الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ
رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا
لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

جس نے یہ سب قسم قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں[۱۳] اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپایے بنائے ہیں جن پر تم سوار ہوتے ہو[۱۴] کہ اِن کی پیٹھ[۱۵] پر اطمینان سے بیٹھو، پھر جب اِن پر اطمینان سے بیٹھ جاؤ تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو[۱۶] اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اِن کو ہماری خدمت میں لگا دیا۔ ہم ایسے نہیں تھے کہ اِن کو اپنے قابو میں کر لیتے۔[۱۷] یقیناً ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنے والے

ایک بڑی حقیقت کو آشکارا کرنا مقصود ہے جو آگے بیان ہوئی ہے۔

۱۳۔ انسان کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے چند چیزیں کافی تھیں، مگر یہ جس تنوع اور گوناگونی کے ساتھ پیدا کی گئی ہیں، اُس سے ظاہر ہے کہ اِس کائنات کے خالق کی قدرت و حکمت اور اُس کی رحمت و ربوبیت کی یاددہانی مقصود ہے۔

۱۴۔ یہ عام کے بعد دو خاص چیزوں کا ذکر ہے۔ اُس زمانے میں خشکی اور تری کی یہی دو سواریاں معروف تھیں۔ اب اِن میں جو حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے، اُس کو بھی اِنھی کے تحت سمجھنا چاہیے۔

۱۵۔ 'پیٹھ' کا لفظ اگرچہ کشتیوں کے لیے موزوں نہیں ہے، لیکن یہ یہاں علیٰ سبیل التغلیب استعمال ہوا ہے اور اِس طرح کا استعمال عربی زبان میں معروف ہے۔

۱۶۔ یعنی اِن پر بیٹھ کر غرور سے اکڑنے کے بجاے اُس کا شکر ادا کرو کہ اُس نے بغیر کسی استحقاق کے یہ نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں۔

۱۷۔ یعنی اِن کی پیٹھ پر بیٹھ کر اِس حقیقت کا اعتراف کرو کہ خدا کی ذات ہر شرک اور ہر عیب سے پاک ہے اور یہ اُسی کی شان اور اُسی کا فضل و کرم ہے کہ یہ چیزیں مطیع و فرماں بردار ہو کر تمھاری خدمت کر رہی ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... یہ اعتراف ایک حقیقت نفس الامری کا اعتراف ہے۔ اِس دنیا میں جو چیزیں بھی ہماری خدمت گزاری

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ اَمِ اتَّخَذَ
مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ

ہیں۔[18] ۱۰-۱۴

(یہ[19] سب جانتے اور مانتے ہوئے بھی) اِنھوں نے خدا کے بندوں میں سے بعض کو اُس کا جز بنا ڈالا ہے۔[20] حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے۔ کیا اپنی مخلوقات میں سے اُس نے اپنے لیے

میں لگی ہوئی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر ہی سے لگی ہوئی ہیں۔ یہ تسخیر نہ ہو تو مجرد ہماری تدبیر کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی کمند نہیں ڈال سکتی۔ اونٹ جیسے بڑے جانور کی ناک میں آپ نکیل ڈال دیتے ہیں اور گھوڑے کے منہ میں لگام لگا دیتے ہیں۔ یہی کام اگر آپ جنگل کے درندوں کے ساتھ کرنا چاہیں تو ہزار خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد بھی آپ شیر پر سواری نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے کہ اُس نے ہماری خدمت کے لیے مختلف قسم کے جانور پیدا کیے اور ہمیں یہ صلاحیت بخشی کہ ہم اُن کو مسخر کر کے اپنے مختلف مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔ اِس زمانے میں بھاپ، بجلی اور ایٹم پر انسان کو جو تصرف حاصل ہوا ہے، وہ بھی خدا ہی کی تسخیر سے حاصل ہوا ہے۔ اِن فتوحات نے انسان کو بہت مغرور بنا دیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اب کون و مکان کا مالک سمجھنے لگا ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے، اُن کو انسان کی قید سے آزاد کر کے رحمت کے بجائے عذاب بنا دے۔" (تدبر قرآن ۷/ ۲۱۳)

۱۸۔ یہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف گریز کی نہایت خوب صورت مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِن پر بیٹھ کر سفر کے لیے نکلتے وقت یہ بات بھی یاد کرو کہ ایک دن وہ سفر بھی پیش آنے والا ہے جو تم کو سیدھا تمھارے پروردگار کے حضور پہنچا دے گا اور وہاں تنہا وہی ہو گا جس کے آگے اِن نعمتوں کے بارے میں جواب دہ ٹھیرائے جاؤ گے کہ اِن کو تم نے کس طرح استعمال کیا اور استعمال کرتے وقت اِن کے دینے والے کو کتنا یاد رکھا۔

۱۹۔ یہ اب اُن کے تضاد فکر کو واضح کرنے کے لیے تضمین کی آیتوں کے بعد کلام کو اُسی مضمون سے مربوط کر دیا ہے جو اوپر آیت ۹ میں بیان ہوا ہے۔

۲۰۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور اولاد اپنے والدین کا جز ہی ہوتی ہے۔ یہی غلطی سیدنا مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں نے اُن کو خدا کا بیٹا اور وحدت الوجود کے ماننے

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ
وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴿۱۸﴾
وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ
شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ﴿۱۹﴾
وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ

بیٹیاں پسند کیں اور تم کو بیٹے دے کر نوازا ہے؟ اور اِن کا اپنا حال یہ ہے کہ جب اِن میں سے کسی کو اُس چیز کی خوش خبری دی جاتی ہے، جس کی تہمت خداے رحمٰن پر رکھتا ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے، اور (سوچتا ہے کہ) کیا وہ پیدا ہوئی ہے جو زیوروں میں پلتی اور مخاصمت کے موقعوں[۲۱] پر گویا بے زبان ہوتی ہے۔[۲۲] ۱۵-۱۸

(اِن پر افسوس)، اِنھوں نے فرشتوں کو، جو خداے رحمٰن کے بندے ہیں، بیٹیاں بنا دیا! کیا یہ اُن کی پیدایش کے وقت موجود تھے؟ اِن کی یہ گواہی اب لکھ لی جائے گی اور اِنھیں اِس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔ ۱۹

کہتے ہیں کہ اگر خداے رحمٰن چاہتا تو ہم اِن کی پرستش نہ کرتے۔[۲۳] اِن کو اِس معاملے کا کوئی علم

والوں نے پوری کائنات کو خدا کا جسدی ظہور قرار دے کر کی ہے۔

۲۱۔ یعنی مبارزت اور مفاخرت کے موقعوں پر۔ اہل عرب کی زندگی میں یہ دونوں ہی چیزیں بڑی غیر معمولی اہمیت کی حامل تھیں۔

۲۲۔ عورت پر یہ تبصرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ اُن اہل عرب کی طرف سے ہے جن کے احمقانہ عقائد یہاں زیر بحث ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد بھی تجویز کرتے ہو تو ایسی جس کو اپنے لیے ننگ و عار اور زندگی کے معرکوں میں بالکل بے کار سمجھتے ہو۔ خود غور کرو کہ اِس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے؟

۲۳۔ یعنی وہ اپنی مشیت کے زور سے اِس کو روک دیتا، لیکن جب اُس نے نہیں روکا اور ہم اور ہمارے باپ دادا

اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا
اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ
قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ

نہیں ہے، یہ محض تیر تکے لڑاتے ہیں۔ کیا ہم نے اِس سے پہلے کوئی کتاب اِنھیں دی تھی کہ (اپنی اِس حماقت کے لیے) یہ اُس کی دلیل پکڑے ہوئے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک برتر طریقے[۲۴] پر پایا ہے اور ہم اُنھی کے قدم بہ قدم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔[۲۵] اِسی طرح، (اے پیغمبر)، ہم نے تم سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی خبردار کرنے والا بھیجا ہے، اُس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک برتر طریقے پر پایا ہے

صدیوں سے اِن کی عبادت کر رہے ہیں تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ خدا اِسے پسند کرتا ہے۔ اِس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اِنھیں خدا اور اُس کے سنن کا کوئی علم نہیں ہے، یہ نری اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... خدا کی پسند یا ناپسند کے جاننے کا یہ ذریعہ نہیں ہے کہ کسی شخص یا گروہ کو کسی برائی کے کرنے کی ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اگر یہ کوئی دلیل ہے تو یہ دلیل ہر چور، ہر زانی، ہر بدمعاش اپنی چوری اور بدمعاشی کے جواز، بلکہ استحسان کی تائید میں پیش کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ بات خدا کی مرضی کے خلاف ہوتی تو وہ اپنی مشیت کے زور سے اِس کو روک دیتا، لیکن جب اُس نے اِس کو نہیں روکا تو اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا، اُس کی مرضی سے کیا اور ہمارا یہ فعل اُس کو پسند ہے۔“ (تدبر قرآن ۷/ ۲۱۷)

۲۴۔ اصل میں لفظ 'اُمَّة' آیا ہے۔ اِس کی تنکیر یہاں اِس کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۲۵۔ یہ ایسی دلیل ہے کہ اِس سے عوام کے جذبات کو بھڑکا کر علم و عقل کے تمام مقدمات اور تحقیق و استدلال کے تمام نتائج بے اثر کیے جا سکتے ہیں۔ اِس وجہ سے ہر دور کے جہلا نے اِسی ہتھیار سے مصلحین اور محققین کی مساعی کو ناکام کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن نے آگے اِس حقیقت کی طرف توجہ دلا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔

وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ
عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ط قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ہم اُنھی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ اُن کے خبردار کرنے والے نے کہا: کیا اِس کے باوجود بھی کہ اگر میں اُس سے کہیں سیدھے راستے کی ہدایت تمھارے پاس لے کر آیا ہوں، جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا: تم لوگ جو کچھ بھی دے کر بھیجے گئے ہو، ہم اُس کو ماننے والے نہیں ہیں۔[26] سو (نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو) ہم نے اُن کی خبر لے ڈالی۔ پھر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ ۲۰-۲۵

۲۶۔ اِس جواب سے واضح ہے کہ مخاطبین اپنے استدلال کی کم زوری دیکھ کر کس طرح جھلا اٹھے ہیں اور کس ڈھٹائی کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ مسئلہ صحیح اور غلط کا نہیں ہے، بلکہ ہم تمھاری کوئی بات سرے سے سننے اور ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔

[باقی]

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد رفیع مفتی / محسن ممتاز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی ہجرتِ حبشہ

— ۱ —

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ابْنَةِ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ:[۱] [أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فُتِنَ أَصْحَابُهُ بِمَكَّةَ أَشَارَ عَلَيْهِمْ أَنْ يَلْحَقُوا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَخَرَجْنَا أَرْسَالًا، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَصَبْنَا خَيْرَ دَارٍ، وَأَصَبْنَا قَرَارًا، وَجَاوَرْنَا رَجُلًا حَسَنَ الْجِوَارِ][۲]، النَّجَاشِيَّ، أَمِنَّا عَلَى دِينِنَا، وَعَبَدْنَا اللهَ لَا نُؤْذَى، وَلَا نَسْمَعُ شَيْئًا نَكْرَهُهُ. فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ قُرَيْشًا، ائْتَمَرُوا أَنْ يَبْعَثُوا إِلَى النَّجَاشِيِّ فِينَا رَجُلَيْنِ جَلْدَيْنِ، وَأَنْ يُهْدُوا لِلنَّجَاشِيِّ هَدَايَا مِمَّا

يُسْتَطْرَفُ مِنْ مَتَاعِ مَكَّةَ، وَكَانَ مِنْ أَعْجَبِ مَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَيْهِ الْأَدَمُ، فَجَمَعُوا لَهُ أَدَمًا كَثِيرًا، وَلَمْ يَتْرُكُوا مِنْ بَطَارِقَتِهِ بِطْرِيقًا إِلَّا أَهْدَوْا لَهُ هَدِيَّةً، ثُمَّ بَعَثُوا بِذَلِكَ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ الْمَخْزُومِيِّ، وعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ السَّهْمِيِّ، وَأَمَرُوهُمَا أَمْرَهُمْ، وَقَالُوا لَهُمَا: ادْفَعُوا إِلَى كُلِّ بِطْرِيقٍ هَدِيَّتَهُ، قَبْلَ أَنْ تُكَلِّمُوا النَّجَاشِيَّ فِيهِمْ، ثُمَّ قَدِّمُوا لِلنَّجَاشِيِّ هَدَايَاهُ، ثُمَّ سَلُوهُ أَنْ يُسْلِمَهُمْ إِلَيْكُمْ قَبْلَ أَنْ يُكَلِّمَهُمْ، قَالَتْ: فَخَرَجَا فَقَدِمَا عَلَى النَّجَاشِيِّ، وَنَحْنُ عِنْدَهُ بِخَيْرِ دَارٍ، وَعِنْدَ خَيْرِ جَارٍ، فَلَمْ يَبْقَ مِنْ بَطَارِقَتِهِ بِطْرِيقٌ إِلَّا دَفَعَا إِلَيْهِ هَدِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يُكَلِّمَا النَّجَاشِيَّ، ثُمَّ قَالَا لِكُلِّ بِطْرِيقٍ مِنْهُمْ: إِنَّهُ قَدْ صَبَا إِلَى بَلَدِ الْمَلِكِ مِنَّا غِلْمَانٌ سُفَهَاءُ، فَارَقُوا دِينَ قَوْمِهِمْ وَلَمْ يَدْخُلُوا فِي دِينِكُمْ، وَجَاءُوا بِدِينٍ مُبْتَدَعٍ لَا نَعْرِفُهُ نَحْنُ وَلا أَنْتُمْ، وَقَدْ بَعَثَنَا إِلَى الْمَلِكِ فِيهِمِ أَشْرَافُ قَوْمِهِمْ لِنَرُدَّهُمْ إِلَيْهِمْ، فَإِذَا كَلَّمْنَا الْمَلِكَ فِيهِمْ، فَتُشِيرُوا عَلَيْهِ بِأَنْ يُسْلِمَهُمْ إِلَيْنَا وَلا يُكَلِّمَهُمْ، فَإِنَّ قَوْمَهُمْ أَعْلَى بِهِمْ عَيْنًا، وَأَعْلَمُ بِمَا عَابُوا عَلَيْهِمْ، فَقَالُوا لَهُمَا: نَعَمْ، ثُمَّ إِنَّهُمَا قَرَّبَا هَدَايَاهُم إِلَى النَّجَاشِيِّ فَقَبِلَهَا مِنْهُمَا. ثُمَّ كَلَّمَاهُ، فَقَالَا لَهُ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، إِنَّهُ قَدْ صَبَا إِلَى بَلَدِكَ مِنَّا غِلْمَانٌ سُفَهَاءُ، فَارَقُوا دِينَ قَوْمِهِمْ، وَلَمْ يَدْخُلُوا فِي دِينِكَ، وَجَاءُوا بِدِينٍ مُبْتَدَعٍ لَا نَعْرِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ، وَقَدْ بَعَثَنَا

إِلَيْكَ فِيهِمْ أشْرَافُ قَوْمِهِمْ مِنْ آبَائِهِمْ، وَأَعْمَامِهِمْ وَعَشَائِرِهِمْ، لِتَرُدَّهُمْ إِلَيْهِمْ، فَهُمْ أَعْلَى بِهِمْ عَيْنًا، وَأَعْلَمُ بِمَا عَابُوا عَلَيْهِمْ وَعَاتَبُوهُمْ فِيهِ. قَالَتْ: وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مِنْ أَنْ يَسْمَعَ النَّجَاشِيُّ كَلَامَهُمْ، فَقَالَتْ بَطَارِقَتُهُ حَوْلَهُ: صَدَقُوا أَيُّهَا الْمَلِكُ، قَوْمُهُمْ أَعْلَى بِهِمْ عَيْنًا، وَأَعْلَمُ بِمَا عَابُوا عَلَيْهِمْ، فَأَسْلِمْهُمْ إِلَيْهِمَا، فَلْيَرُدَّاهُمْ إِلَى بِلَادِهِمْ وَقَوْمِهِمْ، قَالَت: فَغَضِبَ النَّجَاشِيُّ، ثُمَّ قَالَ: لَا هَا اللّٰه، ايْمُ اللّٰهِ إِذَنْ لَا أُسْلِمُهُمْ إِلَيْهِمَا، وَلا أُكَادُ قَوْمًا جَاوَرُونِي، وَنَزَلُوا بِلَادِي، وَاخْتَارُونِي عَلَى مَنْ سِوَايَ حَتَّى أَدْعُوَهُمْ فَأَسْأَلَهُمْ مَاذَا يَقُولُ هَذَانِ فِي أَمْرِهِمْ، فَإِنْ كَانُوا كَمَا يَقُولَانِ أَسْلَمْتُهُمْ إِلَيْهِمَا وَرَدَدْتُهُمْ اِلَى قَوْمِهِمْ، وَإِنْ كَانُوا عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ مَنَعْتُهُمْ مِنْهُمَا، وَأَحْسَنْتُ جِوَارَهُمْ مَا جَاوَرُونِي. قَالَتْ: ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَاهُمْ فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُ اجْتَمَعُوا، ثُمَّ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: مَا تَقُولُونَ لِلرَّجُلِ إِذَا جِئْتُمُوهُ؟ قَالُوا: نَقُولُ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَا، وَمَا أَمَرَنَا بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَائِنٌ فِي ذَلِكَ مَا هُوَ كَائِنٌ. فَلَمَّا جَاءُوهُ، وَقَدْ دَعَا النَّجَاشِيُّ أَسَاقِفَتَهُ، فَنَشَرُوا مَصَاحِفَهُمْ حَوْلَهُ، سَأَلَهُمْ فَقَالَ: مَا هَذَا الدِّينُ الَّذِي فَارَقْتُمْ فِيهِ قَوْمَكُمْ، وَلَمْ تَدْخُلُوا فِي دِينِي وَلَا فِي دِينِ أَحَدٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَمِ؟ قَالَتْ: فَكَانَ الَّذِي كَلَّمَهُ

جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لَهُ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلَى ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ، وَصِدْقَهُ، وَأَمَانَتَهُ، وَعَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ، وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ، وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، وَصِلَةِ الرَّحِمِ، وَحُسْنِ الْجِوَارِ، وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ، وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ، وَقَوْلِ الزُّورِ، وَأَكْلِ مَالَ الْيَتِيمِ، وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، وَالصِّيَامِ، قَالَ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ، فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَحَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا، وَأَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا، فَعَذَّبُونَا وَفَتَنُونَا عَنْ دِينِنَا لِيَرُدُّونَا إِلَى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَأَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ، فَلَمَّا قَهَرُونَا وَظَلَمُونَا، وَشَقُّوا عَلَيْنَا، وَحَالُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِينِنَا، خَرَجْنَا إِلَى بَلَدِكَ، وَاخْتَرْنَاكَ عَلَى مَنْ سِوَاكَ، وَرَغِبْنَا فِي جِوَارِكَ، وَرَجَوْنَا أَنْ لَا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ، قَالَتْ: فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِيُّ: هَلْ مَعَكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ عَنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَتْ: فَقَالَ لَهُ جَعْفَرٌ: نَعَمْ، فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِيُّ:

فَاقْرَأْهُ عَلَيَّ، فَقَرَأَ عَلَيْهِ صَدْرًا مِنْ ﴿كٓهيٰعٓصٓ﴾، قَالَتْ: فَبَكَى وَاللّٰهِ النَّجَاشِيُّ حَتَّى أَخْضَلَ لِحْيَتَهُ، وَبَكَتْ أَسَاقِفَتُهُ حَتَّى أَخْضَلُوا مَصَاحِفَهُمْ حِينَ سَمِعُوا مَا تَلَا عَلَيْهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّجَاشِيُّ: إِنَّ هَذَا وَاللّٰهِ وَالَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكَاةٍ وَاحِدَةٍ، انْطَلِقَا فَوَاللّٰهِ لَا أُسْلِمُهُمِ الَيْكُمِ أَبَدًا، وَلَا أُكَادُ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: فَلَمَّا خَرَجَا مِنْ عِنْدِهِ، قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: وَاللّٰهِ لَأُنَبِّئَنَّهُمْ غَدًا عَيْبَهُمْ عِنْدَهُمْ، ثُمَّ أَسْتَأْصِلُ بِهِ خَضْرَاءَهُمْ، قَالَتْ: فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي رَبِيعَةَ - وَكَانَ أَتْقَى الرَّجُلَيْنِ فِينَا -: لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ لَهُمْ ارْحَامًا، وَإِنْ كَانُوا قَدْ خَالَفُونَا. قَالَ: وَاللّٰهِ لَأُخْبِرَنَّهُ أَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَبْدٌ، قَالَتْ: ثُمَّ غَدَا عَلَيْهِ الْغَدَ، فَقَالَ لَهُ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، إِنَّهُمْ يَقُولُونَ فِي عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قَوْلًا عَظِيمًا، فَأَرْسِلْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلْهُمْ عَمَّا يَقُولُونَ فِيهِ، قَالَتْ: فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ يَسْأَلُهُمْ عَنْهُ، قَالَتْ: وَلَمْ يَنْزِلْ بِنَا مِثْلُهُ، فَاجْتَمَعَ الْقَوْمُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: مَاذَا تَقُولُونَ فِي عِيسَى إِذَا سَأَلَكُمْ عَنْهُ؟ قَالُوا: نَقُولُ وَاللّٰهِ فِيهِ مَا قَالَ اللّٰهُ، وَمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّنَا كَائِنًا فِي ذَلِكَ مَا هُوَ كَائِنٌ، فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ، قَالَ لَهُمْ: مَا تَقُولُونَ فِي عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ؟ فَقَالَ لَهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: نَقُولُ فِيهِ الَّذِي جَاءَ بِهِ نَبِيُّنَا: هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، وَرُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُولِ، قَالَتْ: فَضَرَبَ

النَّجَاشِيُّ يَدَهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَأَخَذَ مِنْهَا عُودًا، ثُمَّ قَالَ: مَا عَدَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هَذَا الْعُودَ، فَتَنَاخَرَتْ بَطَارِقَتُهُ حَوْلَهُ حِينَ قَالَ مَا قَالَ، فَقَالَ: وَإِنْ نَخَرْتُمْ وَاللّٰهِ اذْهَبُوا، فَأَنْتُمْ سُيُومٌ بِأَرْضِي ... مَنْ سَبَّكُمْ غُرِّمَ، ثُمَّ مَنْ سَبَّكُمْ غُرِّمَ، [ثُمَّ مَنْ سَبَّكُمْ غرِمَ][٣]، فَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي دَبْرًا ذَهَبًا، وَأَنِّي آذَيْتُ رَجُلًا مِنْكُمْ ... رُدُّوا عَلَيْهِمَا هَدَايَاهُمَا، فَلَا حَاجَةَ لَنَا بِهَا، فَوَاللّٰهِ مَا أَخَذَ اللّٰهُ مِنِّي الرِّشْوَةَ حِينَ رَدَّ عَلَيَّ مُلْكِي، فَآخُذَ الرِّشْوَةَ فِيهِ وَمَا أَطَاعَ النَّاسَ فِيَّ، فَأُطِيعَهُمْ فِيهِ. قَالَتْ: فَخَرَجَا مِنْ عِنْدِهِ مَقْبُوحَيْنِ مَرْدُودًا عَلَيْهِمَا مَا جَاءَا بِهِ، وَأَقَمْنَا عِنْدَهُ بِخَيْرِ دَارٍ مَعَ خَيْرِ جَارٍ. قَالَتْ: فَوَاللّٰهِ إِنَّا عَلَى ذَلِكَ إِذْ نَزَلَ بِهِ - يَعْنِي مَنْ يُنَازِعُهُ فِي مُلْكِهِ - قَالَتْ: فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَا حُزْنًا قَطُّ كَانَ أَشَدَّ مِنْ حُزْنٍ حَزِنَّاهُ عِنْدَ ذَلِكَ، تَخَوُّفًا أَنْ يَظْهَرَ ذَلِكَ عَلَى النَّجَاشِيِّ، فَيَأْتِيَ رَجُلٌ لَا يَعْرِفُ مِنْ حَقِّنَا مَا كَانَ النَّجَاشِيُّ يَعْرِفُ مِنْهُ. قَالَتْ: وَسَارَ النَّجَاشِيُّ وَبَيْنَهُمَا عُرْضُ النِّيلِ، قَالَتْ: فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَجُلٌ يَخْرُجُ حَتَّى يَحْضُرَ وَقْعَةَ الْقَوْمِ ثُمَّ يَأْتِيَنَا بِالْخَبَرِ؟ قَالَتْ: فَقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ: أَنَا، قَالَتْ: وَكَانَ مِنْ أَحْدَثِ الْقَوْمِ سِنًّا، قَالَتْ: فَنَفَخُوا لَهُ قِرْبَةً، فَجَعَلَهَا فِي صَدْرِهِ ثُمَّ سَبَحَ عَلَيْهَا حَتَّى خَرَجَ إِلَى نَاحِيَةِ النِّيلِ الَّتِي بِهَا مُلْتَقَى الْقَوْمِ، ثُمَّ انْطَلَقَ حَتَّى حَضَرَهُمْ. قَالَتْ:

وَدَعَوْنَا اللهَ لِلنَّجَاشِيِّ بِالظُّهُورِ عَلَى عَدُوِّهِ، وَالتَّمْكِينِ لَهُ فِي بِلَادِهِ، وَاسْتَوْسَقَ عَلَيْهِ أَمْرُ الْحَبَشَةِ، فَكُنَّا عِنْدَهُ فِي خَيْرِ مَنْزِلٍ، حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [بِالْمَدِينَةِ][4،5].

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المومنین اُمّ سلمہ بنت ابی اُمیہ بن مغیرہ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام پر (منکرین کی طرف سے) ظلم و ستم ہوا تو آپ نے اُنھیں مشورہ دیا کہ وہ سرزمین حبشہ میں چلے جائیں[1] (وہ لوگ بتاتے ہیں کہ) ہم وہاں جانے کے لیے ٹکڑیوں کی صورت میں (چھپتے چھپاتے) نکلے۔ پھر جب وہاں جا بسے تو ہمیں رہنے کو بہترین جگہ اور پُرسکون حالات میسر آئے اور ہم ایک بہت اچھے پڑوسی نجاشی بادشاہ کے زیر سایہ رہے۔ وہاں ہم اپنے دین پر عمل کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے میں مامون اور (مکہ والوں کی) ایذاؤں سے محفوظ تھے۔ ہمیں وہاں کبھی کوئی ناگوار بات بھی نہیں سننا پڑتی تھی۔

قریش کو جب ہمارے اِن حالات کی خبر پہنچی تو اُنھوں نے باہم مشورہ کیا کہ اپنے دو ہوشیار آدمیوں کو مکہ کے نادر و نایاب تحفے دے کر نجاشی کے پاس بھیجا جائے — نجاشی کو مکہ کی جو چیز سب سے زیادہ پسند تھی، وہ چمڑے کا سامان تھا — چنانچہ اُنھوں نے اُس کے لیے اور اُس کے تمام سرداروں کے لیے چمڑے سے بنے ہوئے بہت سے تحائف جمع کیے اور یہ سب کچھ عبد اللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن عاص بن وائل سہمی کو دے کر روانہ کیا اور اُنھیں ہدایت کی کہ اِن (مہاجرین) کے بارے میں نجاشی سے کوئی بات کرنے سے پہلے اُس کے ہر سردار کو اُس کا ہدیہ پہنچا دینا اور اُس کے بعد نجاشی کی خدمت میں اُس کے ہدایا پیش کرنا، پھر اِس سے پہلے کہ مہاجرین سے اُس کا کوئی رابطہ ہو، تم اُس سے یہ درخواست کرنا کہ وہ اُن لوگوں کو تمھارے حوالے کر دے۔[2]

سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں: پھر وہ دونوں مکہ سے نکلے اور نجاشی کے ہاں جا پہنچے۔ ہم اُس وقت اُس

کے پاس بہت اچھی جگہ پر اور بڑے اچھے ماحول میں رہ رہے تھے۔

(پروگرام کے مطابق) اِن دونوں نے نجاشی سے کوئی بات کرنے سے پہلے اُس کے ہر سردار کو اُس کے تحفے دے دیے اور پھر اُن سے کہا کہ شاہ حبشہ کے اِس ملک میں ہمارے کچھ بے وقوف نوجوان آگئے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور وہ تمھارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے، بلکہ اُنھوں نے ایک نیا دین ایجاد کر رکھا ہے، جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ لوگ۔[۳]

ہمیں اُنھی کی قوم کے بزرگ اور معزز لوگوں نے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے تاکہ (اُس کی مدد سے) ہم اُنھیں یہاں سے اُن کے پاس لوٹا لے جائیں۔ چنانچہ (درخواست ہے کہ) جب ہم بادشاہ سے اُن کی بات کریں تو آپ لوگ بھی اُنھیں یہ مشورہ دیجیے گا کہ وہ اُن سے کوئی بات کیے بغیر ہی اُنھیں ہمارے حوالے کر دیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے اشراف قوم ہی اُن کے بارے میں بہتر سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور وہی اپنے اوپر اُن کے اعتراضات کی خامی کو جانتے ہیں۔[۴] اُن سرداروں نے جواب دیا: ٹھیک ہے، (ہم اُسی طرح کریں گے، جس طرح آپ چاہتے ہیں)۔ اِس کے بعد نجاشی کی خدمت میں اُنھوں نے اہل مکہ کے بھیجے ہوئے تحفے پیش کیے، جنھیں اُس نے قبول کر لیا۔ پھر اُنھوں نے اُس سے عرض کیا: بادشاہ سلامت، گزارش یہ ہے کہ ہمارے کچھ بے وقوف نوجوان (اپنا گھر بار چھوڑ کر) آپ کے ملک میں آبسے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے آباواجداد کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کا دین بھی نہیں اپنایا، بلکہ ایک نیا دین گھڑ لیا ہے، جسے نہ آپ جانتے ہیں اور نہ ہم۔

ہمیں اُنھی کے بزرگوں، آباواجداد اور چچاؤں نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ اُنھیں (اُن تک پہنچانے کے لیے) ہمارے حوالے کر دیں، اِس لیے کہ وہی اُن کے بارے میں بہتر سمجھ بوجھ رکھتے اور وہی اپنے اوپر اُن کے اعتراضات اور تنقید کی خامی کو جانتے ہیں۔

سیدہ کہتی ہیں: اُس وقت اِن دونوں حضرات (عبداللہ اور عمرو) کے لیے اِس سے بڑھ کر کوئی چیز ناگوار نہ تھی کہ نجاشی کہیں اُن (مہاجرین) کا موقف نہ سننا چاہے۔ چنانچہ یہی موقع ہے، جب اُس کے سرداروں نے (طے شدہ پروگرام کے مطابق) کہا: بادشاہ سلامت، یہ لوگ سچ کہہ رہے

ہیں۔ اُن کی قوم کے لوگ ہی اُن کے بارے میں بہتر سمجھ بوجھ رکھتے اور وہی اپنے اوپر اُن کے اعتراضات کی خامی کو جانتے ہیں۔ اِس لیے ہمارا خیال ہے کہ آپ اُن لوگوں کو اِن دونوں کے حوالے کر دیں تاکہ یہ اُنھیں واپس اُن کے شہر اور اُن کی قوم میں لے جائیں۔ اِس پر نجاشی بھڑک اُٹھا اور اُس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم، ہرگز نہیں، میں اُن لوگوں کو اِن کے حوالے نہیں کروں گا، جنھوں نے مجھے دوسروں پر ترجیح دی، میرے ملک میں آ بسے اور میری ہم سایگی قبول کی ہے، یہاں تک کہ میں اُنھیں بلا کر اُن سے اِن دونوں کے بیانات کی تحقیق نہ کر لوں۔ پھر اگر وہ لوگ ویسے ہی ثابت ہوئے، جیسے یہ کہہ رہے ہیں تو میں اُنھیں اِن کے حوالے کر دوں گا اور اُنھیں اُن کے شہر اور اُن کی قوم میں واپس بھیج دوں گا، لیکن اگر اِن کی باتیں درست ثابت نہ ہوئیں تو پھر میں اُنھیں اِن کے حوالے نہیں کروں گا، بلکہ اُن کا اچھا ہم سایہ ہونے کا حق ادا کروں گا۔[۵]

سیدہ بتاتی ہیں: پھر نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بلا بھیجا۔ جب قاصد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آیا تو اُنھوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے پاس جا کر کیا بات کی جائے؟ پھر اُنھوں نے (آپس میں) یہ طے کر لیا کہ بخدا، ہم وہی کہیں گے، جو ہم جانتے ہیں اور جس کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے اور اِس کے نتیجے میں (پھر اللہ مالک ہے)،[۶] جو ہو سو ہو۔ چنانچہ جب یہ حضرات نجاشی کے پاس پہنچے تو وہاں (کا منظر یہ تھا کہ) نجاشی نے اپنے پادریوں کو بھی بلایا ہوا تھا اور اُنھوں نے اُس کے پاس اپنے صحیفے کھول رکھے تھے۔ نجاشی نے اِن (صحابۂ کرام) سے تحقیق کرنا چاہی تو پوچھا: وہ کون سا دین ہے، جس کی خاطر تم نے اپنی قوم کو اور اُس کے دین کو چھوڑا اور پھر تم نہ میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ اقوام عالم میں سے کسی اور کے دین میں؟

اس موقع پر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اُس سے گفتگو کی اور فرمایا: اے بادشاہ، ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے، رشتوں کو پامال کرتے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے اور ہمارا طاقت ور کم زور کا حق غصب کیا کرتا تھا۔ ہم لوگ اِسی طرح

کی زندگی بسر کر رہے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہمارے ہی اندر سے اپنا ایک رسول بھیجا، جس کے حسب و نسب، صدق و امانت اور عفت و عصمت کو ہم خوب جانتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ایک اللہ ہی کو اپنا خدا مانیں، اُس کی عبادت کریں اور اُن پتھروں اور بتوں کی عبادت چھوڑ دیں، جنھیں ہمارے آبا و اجداد خدا کے سوا پوجتے تھے اور ہمیں یہ ہدایت کی کہ ہم سچ بولیں، امانت ادا کریں، صلۂ رحمی کریں اور ہم سایوں سے اچھا سلوک روا رکھیں۔ آپ نے ہمیں حرام کاموں اور قتل و غارت گری سے بچنے کا حکم دیا۔ فحش کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ناحق کھانے، پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگانے سے آپ نے ہمیں منع کیا اور حکم دیا کہ ہم صرف اللہ ہی کی بندگی کریں، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔ نیز آپ نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔

سیدنا جعفر نے اِسی طرح اسلام کی مزید تعلیمات بھی گنوائیں۔ (پھر اُنھوں نے کہا: اے بادشاہ)، چنانچہ ہم نے خدا کے اِس رسول کی تصدیق کی، آپ پر ایمان لائے اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کی پیروی کی ہے۔ اب ہم ایک اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں، ہم اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیراتے، آپ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال ٹھیرائی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔

(ہمارے اِسی ایمان کی بنا پر) ہماری قوم نے ہم پر ظلم و ستم شروع کر دیا۔ وہ ہمیں طرح طرح کی سزائیں دیتے، ہمیں ہمارے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر دوبارہ بتوں کی پوجا شروع کر دیں اور جن خبائث کو پہلے حلال سمجھتے تھے، اُنھیں دوبارہ حلال سمجھیں۔

جب اُنھوں نے ہم پر ظلم کی انتہا کر دی، ہمارے لیے مشکلات کھڑی کر دیں اور وہ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر حائل ہونے لگے تو ہم وہاں سے نکل کر آپ کے ملک میں آگئے۔ ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی، ہم نے آپ کے پڑوس میں پناہ لی۔ اے بادشاہ، ہمیں امید ہے کہ آپ کی موجودگی میں ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔

نجاشی نے اُن سے پوچھا: وہ (رسول) خدا کی جانب سے جو لائے ہیں، کیا اُس میں سے تمھارے پاس کچھ ہے؟ سیدنا جعفر نے فرمایا: ہاں، کیوں نہیں۔ اِس پر نجاشی نے اُن سے کہا: مجھے وہ سناؤ۔ چنانچہ اُنھوں نے اُس کے سامنے سورۂ 'کٓھٰیٰعٓصٓ' کا ابتدائی حصہ پڑھا۔

سیدہ بتاتی ہیں: بخدا، اُن آیات کو سن کر نجاشی اِس قدر رویا کہ اُس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اُس کے پادری بھی اُسے سن کر اتنا روئے کہ اُن کے سامنے پڑے ہوئے صحیفے اُن کے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم، اِس کا بھی اور جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا، دونوں کا منبع ایک ہی ہے۔[8] اِس کے بعد نجاشی نے اُن دونوں سے کہا: تم چلے جاؤ، اللہ کی قسم، میں اِنھیں کسی صورت بھی تمھارے حوالے نہیں کروں گا، ہرگز نہیں کروں گا۔ جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا: بخدا، میں کل نجاشی کے سامنے اِن کا وہ عیب لازماً بیان کروں گا، جس سے میں اِن کی جڑ ہی کاٹ دوں گا۔

سیدہ بتاتی ہیں: عبداللہ بن ابی ربیعہ —— جو ہمارے معاملے میں زیادہ خدا ترس تھا —— کہنے لگا کہ ایسا نہ کرنا۔ یہ لوگ اگرچہ ہماری مخالفت کر رہے ہیں، لیکن یہ ہیں تو ہمارے ہی رشتہ دار۔ عمرو بن عاص نے کہا: نہیں، میں نجاشی کو یہ بتا کر رہوں گا کہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کا بندہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اگلے دن عمرو بن عاص نجاشی کے پاس حاضر ہوا اور کہا: بادشاہ سلامت، یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بہت ناگوار بات کہتے ہیں۔ آپ اُن کے بارے میں اِن کا عقیدہ تو معلوم کریں۔

سیدہ فرماتی ہیں: نجاشی نے صحابۂ کرام کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے اُنھیں بلا بھیجا۔ تب ہم بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ صحابۂ کرام جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ جب بادشاہ ہم سے عیسیٰ ابن مریم کے متعلق پوچھے تو ہم کیا کہیں؟

پھر اُنھوں نے یہ طے کر لیا کہ ہم اُن کے متعلق بھی وہی کہیں گے، جو اللہ نے فرمایا اور جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، اور اِس کے نتیجے میں (پھر اللہ مالک ہے)، جو ہو سو ہو۔

اِس کے بعد جب صحابۂ کرام نجاشی کے پاس آئے تو اُس نے اُن سے پوچھا: تم عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سیدنا جعفر نے اِس کے جواب میں فرمایا: اُن کے بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی جانب سے ہمیں بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے، اُس کے رسول، اُس کی روح اور اُس کا وہ کلمہ ہیں جو اُس نے پاک دامن کنواری مریم کی طرف القا کیا تھا۔[9]

ام سلمہ فرماتی ہیں: اِس پر نجاشی نے زمین کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا: آپ نے جو کچھ کہا ہے، عیسیٰ ابن مریم اُس سے اِس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ نجاشی کی یہ بات سن کر اُس کے حاشیہ نشین سرداروں کو بُرا لگا اور وہ غصے سے خرخرانے لگے۔ نجاشی نے اُن سے کہا: تمھیں جتنا چاہے بُرا لگے، خدا کی قسم، صحیح بات یہی ہے۔

(اور مسلمانو)، تم لوگ جاؤ، آج سے تم میرے ملک میں امن سے رہو گے اور (لوگوں کی طرف دیکھ کر) تین دفعہ اعلان کیا: جو شخص تمھیں بُرا بھلا کہے گا، اُس پر تاوان پڑے گا۔ (اور اُس نے کہا): مجھے پسند نہیں کہ میں تم میں سے کسی کو تکلیف پہنچاؤں، اگرچہ اُس کے بدلے میں مجھے سونے کا پہاڑ ہی کیوں نہ مل جائے۔ پھر اُس نے حکم دیا کہ اِن دونوں کے تحفے اِنھیں لوٹا دو۔ ہمیں اِن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کی قسم، اللہ نے جب میری حکومت مجھے لوٹائی تھی تو اُس نے مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اُس کے معاملے میں رشوت لیتا پھروں اور اُس نے لوگوں کو میرا مطیع اِس لیے نہیں بنایا کہ میں اُس کے معاملے میں لوگوں کی اطاعت کرتا پھروں۔[10]

سیدہ بتاتی ہیں: پھر وہ دونوں وہاں سے ذلیل و رسوا ہو کر اور اپنے رد کیے گئے تحفے لے کر نکل گئے اور ہم اِس کے بعد نجاشی کے پاس پُرسکون جگہ پر اور اُس کے بہترین پڑوس میں رہتے رہے۔

سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں: ہم وہاں بہت اچھے حالات میں تھے کہ کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت ہمیں انتہائی غم اور افسوس ہوا، اور ہمیں یہ اندیشہ بھی ہوا کہ کہیں وہ حملہ آور

نجاشی پر غالب ہی نہ آ جائے اور نجاشی کی جگہ ایک ایسا شخص حاکم بن جائے، جو ہمارے حقوق کا اُس طرح خیال نہ رکھے، جس طرح نجاشی رکھتا تھا۔ بہر حال، نجاشی جنگ کے لیے روانہ ہوا، (اور اُس نے دریاے نیل پار کیا۔ اِس لیے کہ) دونوں لشکروں کے درمیان نیل کی وسعت حائل تھی۔

سیدہ فرماتی ہیں: اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے باہم مشورہ کیا کہ ہم میں سے کون محاذ پر جا کر اُن کی خبر لائے گا؟ زبیر رضی اللہ عنہ، جو اُس وقت سب سے کم سن تھے، اُنھوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ لوگوں نے اُن کو ایک مشکیزہ پھونک بھر کر دے دیا، جو اُنھوں نے اپنے سینے سے باندھ لیا اور (دریا میں) اُس کے اوپر تیرنے لگے، یہاں تک کہ نیل کے اُس کنارے کی طرف نکل گئے، جہاں (دونوں) لشکر صف آرا تھے۔ پھر وہ چلتے چلتے اُن کے قریب پہنچ گئے (اور حالات کا جائزہ لیا)۔ اِدھر ہم لوگ نجاشی کے حق میں اللہ سے یہ دعا کرتے رہے کہ اُسے دشمن پر غلبہ نصیب ہو، وہ اپنے ملک میں حکمرانی پر فائز رہے اور اہل حبشہ کا نظم و نسق اُسی کے ہاتھ میں رہے۔[۱]

(بہر حال، خدا نے اُسے کامیاب کیا، چنانچہ حبشہ کی حکمرانی اُسی کے پاس رہی اور) ہمیں اُس کے پاس بہترین ٹھکانا میسر رہا، یہاں تک کہ (کچھ عرصے کے بعد) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گئے۔ آپ اُس وقت مدینہ میں تھے۔

۱۔ سورۂ نساء (۴) کی آیت ۹۷ میں قرآن نے بھی یہی فرمایا، بلکہ اِسی کا مطالبہ کیا ہے۔ ظلم و ستم کے مقابلے میں مزاحمت کی طاقت میسر نہ ہو تو صبر یا ہجرت ہی واحد راستہ ہے، جس کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس مشورے سے واضح ہے کہ آپ کے ماننے والے جب اِس صورت حال سے دوچار ہوئے تو آپ نے اُن کو وقت سے پہلے کسی مزاحمت کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ ہجرت ہی کی تلقین فرمائی تھی۔

۲۔ یہ ہدایت بتا رہی ہے کہ قریش کے زعما خود بھی سمجھتے تھے کہ دوسری طرف کے لوگوں کا موقف مضبوط ہے اور وہ سامنے آ گیا تو اُن کے لیے اپنے مطالبے کو منوانا ممکن نہیں ہو گا۔

۳۔ یہ حق کے مقابل میں روایت سے وہی استدلال ہے، جو ہر زمانے کی مذہبی اور سیاسی قیادت ہمیشہ پیش کرتی رہی ہے۔

۴۔ یہ بھی اُسی استدلال کی مزید وضاحت ہے، جو اوپر بیان ہوا ہے۔

۵۔ ریاست اور حکومت کے مناصب پر فائز لوگوں کے لیے یہی صحیح رویہ ہے، جو اُنھیں فصل نزاعات کے لیے ہر موقع پر اختیار کرنا چاہیے۔

۶۔ دعوت و شہادت کے معاملے میں صحابۂ کرام کا یہی امتیاز ہے، جس میں بہ حیثیت جماعت اُن کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔

۷۔ اللہ کے پیغمبر اسلام کی جو ہدایت لے کر مبعوث ہوئے ہیں، یہ اُس کا بہترین خلاصہ ہے، جسے ہر صاحب ایمان کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۸۔ اہل کتاب ہر طرح کے تعصبات سے الگ ہو کر قرآن کو سنیں تو اُن کا تاثر یہی ہو گا اور یہی ہونا چاہیے۔

۹۔ یہ ٹھیک وہی تعارف ہے، جو سیدنا مسیح کا قرآن میں منقول ہے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم کلام کے پیچیدہ مباحث کے بجاے اِس طرح کے معاملات میں صرف قرآن ہی کو پیش کر دینا کس قدر موثر ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ اہل اقتدار اپنے اوپر خدا کی عنایات کو کس نظر سے دیکھیں، یہ اُس کا بہترین اظہار ہے۔

۱۱۔ اُن لوگوں کے لیے جو غیر مسلم ملکوں میں امن اور آزادی کے ساتھ رہ رہے ہیں، صحابۂ کرام کا یہی طرز عمل بہترین نمونہ ہے، جس کی ہر صاحب ایمان کو پیروی کرنی چاہیے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۱۷۴۰ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھے جا سکتے ہیں:

مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۱۸۳۵۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۵۹۸۔ دلائل النبوۃ، ابو نعیم، رقم ۱۹۴۔ الاسماء والصفات، بیہقی، رقم ۴۲۳۔

الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ اِس کے شواہد درج ذیل مصادر میں بھی منقول ہیں:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۶۶۴۰۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۵۵۰۔ سنن ابو داؤد، رقم ۳۲۰۵۔ الآحاد والمثانی،

ابن ابی عاصم، رقم ۳۶۶۳۔ مسند رویانی، رقم ۵۰۲۔ مستدرک حاکم، رقم ۳۲۰۸۔ حلیۃ لاولیاء ۱۱۵/۱۔ دلائل النبوۃ، ابونعیم، رقم ۱۹۶۔ دلائل النبوۃ، بیہقی ۲۹۹/۲۔

۲۔ مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۱۸۳۵۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۲۲۴۹۸۔

۴۔ دلائل النبوۃ، ابونعیم، رقم ۱۹۴۔

۵۔ مسند احمد، رقم ۱۷۴۰۷ میں اِس جگہ 'وَهُوَ بِمَكَّةَ' ''اور آپ مکہ میں تھے'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ دوسری روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ اِس حوالے سے جو روایات فیصلہ کن ہو سکتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ '...وَأَقَمْنَا بِخَيْرِ دَارٍ مَعَ خَيْرِ جَارٍ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ'، ''اور ہم پُرسکون جگہ پر اور بہترین پڑوس میں رہتے رہے، حتیٰ کہ واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینے میں آگئے'' (دلائل النبوۃ، ابونعیم، رقم ۱۹۴)۔

۲۔ '...فَأَقَمْنَا عِندَهُ (النجاشي) حَتَّى خَرَجْنَا مَعَ مَنْ خَرَجَ، فَقَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ فَتَحَ خَيْبَرَ'، ''... ہم نجاشی کے پاس (حبشہ میں) اُس وقت تک مقیم رہے، جب تک وہ لوگ (مہاجرین حبشہ) واپس نہ چلے گئے، اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس وقت پہنچے، جب آپ نے خیبر فتح کر لیا تھا'' (مسند احمد، رقم ۲۶۵۸۸)۔

۳۔ 'فَلَمْ يَزَلْ مُقِيمًا بِالْحَبَشَةِ حَتَّى قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ يَوْمَ فَتْحِ خَيْبَرَ'، ''جعفر بن ابی طالب (اور دیگر مہاجرین) حبشہ ہی میں مقیم رہے، یہاں تک کہ فتح خیبر کے موقع پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے'' (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۴۰۹/۱)۔

۴۔ روایات میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے موقع پر، جب جعفر رضی اللہ عنہ کو حبشہ سے واپس آتے دیکھا تو فرمایا: 'ما أَدْرِي بأَيِّهما أَفْرَحُ؟ بِفَتْحِ خَيْبَرَ، أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ'، ''مجھے نہیں معلوم کہ میں خیبر کی فتح پر زیادہ خوش ہوں یا جعفر کے آنے پر'' (صحیح بخاری، رقم ۳۷۰۱)۔

اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ خیبر ۷ ھ/ہجری میں فتح ہوا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے کئی سال بعد یہ مہاجرین مکہ میں نہیں، بلکہ مدینہ میں واپس آئے تھے۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ:[1] بَلَغَنَا مَخْرَجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ بِاليَمَنِ، فَخَرَجْنَا مُهَاجِرِينَ إِلَيْهِ أَنَا وَأَخَوَانِ لِي أَنَا أَصْغَرُهُمْ، أَحَدُهُمَا أَبُو بُرْدَةَ، وَالآخَرُ أَبُو رُهْمٍ، إِمَّا قَالَ: بِضْعٌ، وَإِمَّا قَالَ: فِي ثَلاَثَةٍ وَخَمْسِينَ، أَوِ اثْنَيْنِ وَخَمْسِينَ رَجُلًا مِنْ قَوْمِي، فَرَكِبْنَا سَفِينَةً، فَأَلْقَتْنَا سَفِينَتُنَا إِلَى النَّجَاشِيِّ بِالحَبَشَةِ، فَوَافَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، [فَقَالَ جَعْفَرٌ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنَا هَاهُنَا، وَأَمَرَنَا بِالإِقَامَةِ، فَأَقِيمُوا مَعَنَا[2]، فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتَّى قَدِمْنَا جَمِيعًا، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ، وَكَانَ أُنَاسٌ مِنَ النَّاسِ يَقُولُونَ لَنَا، يَعْنِي لِأَهْلِ السَّفِينَةِ: سَبَقْنَاكُمْ بِالهِجْرَةِ، وَدَخَلَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ، وَهِيَ مِمَّنْ قَدِمَ مَعَنَا، عَلَى حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَةً، وَقَدْ كَانَتْ هَاجَرَتْ إِلَى النَّجَاشِيِّ فِيمَنْ هَاجَرَ، فَدَخَلَ عُمَرُ عَلَى حَفْصَةَ، وَأَسْمَاءُ عِنْدَهَا، فَقَالَ عُمَرُ حِينَ رَأَى أَسْمَاءَ: مَنْ هَذِهِ؟ قَالَتْ: أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ، قَالَ عُمَرُ: الحَبَشِيَّةُ هَذِهِ البَحْرِيَّةُ هَذِهِ؟ قَالَتْ أَسْمَاءُ: نَعَمْ، قَالَ: سَبَقْنَاكُمْ بِالهِجْرَةِ، فَنَحْنُ أَحَقُّ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكُمْ، فَغَضِبَتْ وَقَالَتْ: كَلَّا وَاللّٰهِ، كُنْتُمْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْعِمُ جَائِعَكُمْ، وَيَعِظُ

جَاهِلَكُمْ، وَكُنَّا فِي دَارِ - أَوْ فِي أَرْضِ - الْبُعَدَاءِ الْبُغَضَاءِ بِالْحَبَشَةِ، وَذَلِكَ فِي اللهِ وَفِي رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَايْمُ اللهِ لَا أَطْعَمُ طَعَامًا وَلَا أَشْرَبُ شَرَابًا، حَتَّى أَذْكُرَ مَا قُلْتَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ كُنَّا نُؤْذَى وَنُخَافُ، وَسَأَذْكُرُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْأَلُهُ، وَاللهِ لَا أَكْذِبُ وَلَا أَزِيغُ، وَلَا أَزِيدُ عَلَيْهِ، [فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنَّ عُمَرَ قَالَ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ: «فَمَا قُلْتِ لَهُ؟» قَالَتْ: قُلْتُ لَهُ: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: «لَيْسَ بِأَحَقَّ بِي مِنْكُمْ، وَلَهُ وَلِأَصْحَابِهِ هِجْرَةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَكُمْ أَنْتُمْ - أَهْلَ السَّفِينَةِ - هِجْرَتَانِ»، قَالَتْ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَبَا مُوسَى وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ يَأْتُونِي أَرْسَالًا، يَسْأَلُونِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، مَا مِنَ الدُّنْيَا شَيْءٌ هُمْ بِهِ أَفْرَحُ وَلَا أَعْظَمُ فِي أَنْفُسِهِمْ مِمَّا قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ][۳]، [قَالَ أَبُو بُرْدَةَ: قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَبَا مُوسَى وَإِنَّهُ لَيَسْتَعِيدُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنِّي][۴].

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ہمیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے (مدینہ) ہجرت کی خبر ملی تو (اور لوگوں کے ساتھ) ہم بھی آپ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے۔ میرے ساتھ میرے دو بھائی ابو بُردہ اور ابو رُہم بھی تھے۔ میں اُن میں سب سے چھوٹا تھا۔

وہ بتاتے ہیں: اُس وقت ہماری قوم کے پچاس سے کچھ اوپر یا کہا کہ باون (۵۲) یا ترپن (۵۳)

لوگ ہمارے ساتھ تھے۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے، لیکن ہماری کشتی نے (طوفانی لہروں کی وجہ سے) ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں پہنچادیا۔ وہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اُنھوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں ٹھیرنے کا حکم دیا ہے تو آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ اِسی جگہ رک جائیں۔ چنانچہ ہم اُن کے ساتھ وہاں کچھ عرصہ ٹھیرے رہے۔ اِس کے بعد ہم سب مدینہ روانہ ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت پہنچے، جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔

سیدنا ابو موسیٰ کہتے ہیں: کچھ لوگ ہم کشتی والوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم نے تم سے پہلے مدینہ ہجرت کی ہے۔ (اور ایک دن تو یوں ہوا کہ) اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا، جو نجاشی کی طرف ہجرت کرنے والوں کے ساتھ حبشہ گئی تھیں اور پھر ہمارے ساتھ ہی مدینہ آئی تھیں، ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے گئیں۔ اُن کی موجودگی ہی میں عمر رضی اللہ عنہ بھی سیدہ حفصہ کے گھر پہنچ گئے۔ سیدنا عمر نے جب اُنھیں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ ام المومنین نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ سیدنا عمر نے اِس پر کہا: اچھا، وہی حبشہ سے بحری سفر کر کے یہاں آنے والی خاتون۔ سیدہ اسماء نے کہا: جی ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: ہم تم لوگوں سے ہجرت میں سبقت رکھتے ہیں، لہٰذا ہم تمھاری نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں[1] اُنھیں اِس پر بہت غصہ آیا اور اُنھوں نے کہا: ہرگز نہیں، بخدا، تم لوگ رسول اللہ کے ساتھ رہے ہو۔ وہ تمھارے بھوکوں کو کھلایا کرتے[2] اور تمھارے بے علم لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے، جب کہ ہم لوگ تو بہت دور حبشہ کی سرزمین میں غیروں اور دشمنوں کے ملک میں رہتے تھے۔ یہ سب کچھ ہم نے اللہ اور اُس کے رسول ہی کے راستے میں کیا ہے۔ اللہ کی قسم، میں اُس وقت تک کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی، جب تک میں تمھاری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ کہہ لوں۔ ہمیں اذیت دی جاتی اور ڈرایا دھمکایا جاتا تھا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس

کا ذکر کروں گی اور آپ سے اِس کے متعلق پوچھوں گی۔ خدا کی قسم، میں آپ سے نہ کوئی غلط بیانی کروں گی، نہ بات بگاڑوں گی اور نہ کسی (خلاف حقیقت بات کا) اضافہ کروں گی۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہ اسماء بنت عمیس نے عرض کیا: اے نبی اللہ، عمر یہ اور یہ بات کہہ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: پھر تم نے کیا جواب دیا؟ اُنھوں نے عرض کیا: میں نے اُنھیں یہ اور یہ جواب دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر فرمایا: عمر تم سے زیادہ میرے قریب نہیں ہے۔ اُنھیں اور اُن کے ساتھیوں کو تو ایک ہی ہجرت نصیب ہوئی ہے اور تم کشتی والوں کو دو ہجرتوں کا شرف ملا ہے۔[۳] سیدہ اسماء فرماتی ہیں: اِس واقعہ کے بعد سیدنا ابو موسیٰ اور تمام کشتی والے میرے پاس گروہ در گروہ آیا کرتے اور مجھ سے اِس گفتگو کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ اُن کے لیے اپنے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد سے زیادہ خوش کن اور باعث فخر دنیا کی کوئی اور چیز نہ تھی۔ ابو بردہ راوی کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ بتاتی تھیں کہ ابو موسیٰ تو مجھ سے یہ بات بار بار سنتے تھے۔

۱۔ صحابۂ کرام کے لیے یہی معاملات تھے، جن میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تمنا کرتے تھے۔ یہ ٹھیک اُس رویے کا امتثال ہے، جو اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد میں بیان ہوا ہے: 'وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ' ''یہ چیز ہے کہ جس کی طلب میں طالبوں کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے سرگرم ہونا چاہیے''۔

۲۔ یہی وہ ذمہ داری ہے، جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی برس تک ہر طرح کی زینت اپنے لیے ممنوع قرار دے لی تھی۔

۳۔ سبحان اللہ، انسان کے پاس بصیرت کی نگاہ ہو تو فضائل کی روایتوں کو سمجھنے کے لیے اِس سے بہتر کوئی رہنمائی نہیں ہو سکتی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۴۲۳۰ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ

عنہ ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے متابعات اِن کتابوں میں منقول ہیں:

صحیح بخاری، رقم ۳۱۳۶۔ صحیح مسلم، رقم ۲۵۰۲۔ مسند بزار، رقم ۱۳۲۶، ۳۱۴۹، ۳۱۵۹۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۷۳۱۶۔ مسند رویانی، رقم ۴۶۸۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۱۹۴۔ حلیۃ الاولیاء ۲/ ۷۴۔ دلائل النبوۃ، بیہقی ۴/ ۲۴۴۔

۲۔ صحیح بخاری، رقم ۳۱۳۶۔

۳۔ صحیح بخاری، رقم ۴۲۳۱۔

۴۔ صحیح بخاری، رقم ۴۲۳۲۔

المصادر و المراجع

ابن أبي حاتم، عبد الرحمٰن الرازي. (١٤٢٧هـ/٢٠٠٦ م). **العلل**. ط١. تحقيق: فريق من الباحثين بإشراف وعناية د/سعد بن عبد الله الحميد و د/خالد بن عبد الرحمٰن الجريسي. الرياض: مطابع الحميضي.

ابن أبي حاتم، عبد الرحمٰن الحنظلي. (١٢٧١هـ/١٩٥٢م). **الجرح والتعديل**. ط١. حيدر آباد الدكن. الهند: طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

ابن أبي شيبة، عبد الله بن محمد. (١٤٠٩هـ). **الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار**. ط١. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن أبي عاصم، أحمد بن عمرو الشيباني. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **الآحاد والمثاني**. ط١. تحقيق: د.باسم فيصل أحمد الجوابرة. الرياض: دار الراية.

ابن حبان، محمد بن حبان. (١٤٢٠هـ/٢٠٠٠م). **المجروحين من المحدثين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفى. دار السميعي.

ابن حبان، محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **لسان الميزان**. ط٣. تحقيق: دائرة المعرف النظامية الهند. بيروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات.

ابن حجر، أحمد بن علي العسقلاني. (١٤١٧هـ/١٩٩٧م). **تحرير تقريب التهذيب**. ط١.

تاليف: الدكتور بشار عواد معروف، الشيخ شعيب الأرنؤوط. بيروت: لبنان. مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع.

ابن حجر، أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **طبقات المدلسين**. ط١. تحقيق: د. عاصم بن عبد الله القريوتي. عمان: مكتبة المنار.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **النكت على كتاب ابن الصلاح**. ط١. تحقيق: ربيع بن هادي المدخلي. المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

ابن خزيمة، أبو بكر محمد بن إسحٰق النيسابوري. (د.ت). **الصحيح**. د. ط. تحقيق: د. محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن راهويه، إسحاق بن إبراهيم المروزي. (١٤١٢هـ/١٩٩١م). **مسند إسحاق بن راهويه**. ط١. تحقيق: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي. المدينة المنورة: مكتبة الإيمان.

ابن رجب، عبد الرحمٰن السَلامي. (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م). **شرح علل الترمذي**. ط١. تحقيق: الدكتور همام عبد الرحيم سعيد. الأردن: مكتبة المنار (الزرقاء).

ابن عدي، عبد الله بن عدي الجرجاني. (١٤١٨هـ/١٩٩٧م). **الكامل في ضعفاء الرجال**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، علي محمد معوض. بيروت: الكتب العلمية.

ابن الكيال، ابو البركات محمد بن احمد. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **الكواكب النيرات**. ط٢. تحقيق: عبد القيوم عبد رب النبي. مكة مكرمة: المكتبة الامدادية.

ابن المِبْرَد، يوسف بن حسن الحنبلي. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **بحر الدم فيمن تكلم فيه الإمام أحمد بمدح أو ذم**. ط١. تحقيق وتعليق: الدكتورة روحية عبد الرحمٰن السويفي. لبنان، بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن المديني، علي بن عبد الله السعدي. (١٩٨٠م). **العلل**. ط٢. تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن معين، يحيى بن معين البغدادي. (١٣٩٩هـ/١٩٧٩م). **تاريخ ابن معين**. ط١. تحقيق: د. أحمد محمد نور سيف. مكة المكرمة: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي.

ابن هشام، عبد الملك بن هشام. (١٣٧٥هـ/١٩٥٥م) **السيرة النبوية**. ط٢. تحقيق: مصطفى السقا

وإبراهيم الأبياري وعبد الحفيظ الشلبي. شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي.

أبو اسحاق الحويني. (١٤٣٣هـ/٢٠١٢م). **نثل النبال بمعجم الرجال**. ط١. جمعه ورتبه: أبو عمرو أحمد بن عطية الوكيل. مصر: دار ابن عباس.

أبو داود سليمان بن الأشعث السَّجِسْتاني. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **سؤالات أبي عبيد الآجري أبا داود السجستاني في الجرح والتعديل**. ط١. تحقيق: محمد علي قاسم العمري. المدينة المنورة: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

أبو داود السجستاني أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني. (١٤٣٠هـ/٢٠٠٩م). **سنن أبي داود**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط وآخرون. دار الرسالة العالمية.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **دلائل النبوة**. ط٢. تحقيق: الدكتور محمد رواس قلعه جي، وعبد البر عباس. بيروت: دار النفائس.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٣٩٤هـ/١٩٧٤م). **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء**. د.ط. بيروت: دار الكتاب العربي.

أبو يعلى أحمد بن علي الموصلي. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **المسند**. ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند احمد**. ط١. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١م). **العلل و معرفة الرجال**. ط٢. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. الرياض: دار الخاني فرقد فريد الخاني.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **العلل و معرفة الرجال**. ط١. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. بيروت: المكتب الإسلامي. الرياض: دار الخاني.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل. (١٤٢٢هـ). **الجامع الصحيح**. ط١. تحقيق: زهير الناصر. بيروت: دار طوق النجاة.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل الجعفي. (٢٠٠٩م). **التاريخ الكبير**. تحقيق: السيد هاشم الندوي. بيروت: دار الفكر.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل الجعفي. (١٣٩٧هـ/١٩٧٧م). **التاريخ الأوسط**. ط١. حلب. القاهرة:

دار الوعي مكتبة دار التراث.

البزار، أحمد بن عمرو. (٢٠٠٩م). **مسند البزار**. ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين الله، وعادل بن سعد، وصبري عبد الخالق الشافعي. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين. (١٤٢٤ھ/٢٠٠٣م). **السنن الكبري**. ط٣. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. بيروت: دار الكتب العلمية.

البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين. (١٤٠٨ھ/١٩٨٨م). **دلائل النبوة**. ط١. المحقق: د. عبد المعطي قلعجي. بيروت: دار الكتب العلمية، القاهرة: دار الريان للتراث.

البيهقى، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني. (١٤١٣ھ/١٩٩٣م). **الأسماء والصفات**. ط١. تحقيق: عبد الله بن محمد الحاشدي. جدة: مكتبة السوادي.

الحاكم، محمد بن عبد الله المعروف بابن البيع. (١٤١١ھ/١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين**. ط١. تحقيق: مصطفى عبد القادر عطاء. بيروت: دار الكتب العلمية.

خالد الرباط سيد عزت عيد. (١٤٣٠ھ/٢٠٠٩م). **الجامع لعلوم الإمام أحمد (الأدب والزهد)**. ط١. مصر: دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث.

الدارقطني، علي بن عمر. (١٤٠٥ھ/١٩٨٥م). **العلل الواردة في الأحاديث النبوية**. ط١. تحقيق و تخريج: محفوظ الرحمٰن زين الله السلفي. الرياض. دار طيبة.

الذهبي، محمد بن أحمد. (١٤١٣ھ/١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١. تعليق: امام برهان الدين أبي الوفاء إبراهيم بن محمد. جدة: دار القبلة للثقافة الاسلامية، مؤسسة علوم القرآن.

الذهبي، محمد بن أحمد. (١٣٨٧ھ/١٩٦٧م). **ديوان الضعفاء والمتروكين**. ط٢. تحقيق: حماد بن محمد الانصاري. مكة: مكتبة النهضة الحديثة.

الرُّوياني، محمد بن هارون. (١٤١٧ھ). **المسند**. ط١. تحقيق: أيمن علي أبو يماني. القاهرة: مؤسسة قرطبة.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٩٨٨م). **الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط**. ط١. تحقيق: علاء الدين علي رضا. القاهرة. دار الحديث.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٩٨٦م). **التبيين لأسماء المدلسين**. ط١. تحقيق: يحي شفيق حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م). **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث**. ط١. المحقق: صبحي السامرائي. بيروت: عالم الكتب، مكتبة النهضة العربية.

الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد. (١٤٠٤هـ/١٩٨٣). **الأحاديث الطوال**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. مكتبة الزهراء. الموصل.

الطحاوي، أحمد بن محمد. (١٤١٥هـ/١٩٩٤م). **شرح مشكل الآثار**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. دار النشر مؤسسة الرسالة.

العجلي، أحمد بن عبد الله. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **معرفة الثقات**. ط١. تحقيق: عبد العليم عبد العظيم البستوي. المدينة المنورة. مكتبة الدار.

الكَشّي، أبو محمد عبد الحميد بن حميد بن نصر. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **المنتخب من مسند عبد بن حميد**. ط١. تحقيق: صبحي البدري السامرائي، محمود محمد خليل الصعيدي. القاهرة: مكتبة السنة.

مسلم بن الحجاج النيسابوري. (د.ت). **الجامع الصحيح**. د. ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

مغلطاي، علاء الدين بن قليج. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١ م). **إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: أبو عبد الرحمٰن عادل بن محمد، أبو محمد أسامة بن إبراهيم. القاهرة: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر.

محمد وسیم اختر مفتی

السابقون الاولون من الانصار

(۹)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت عقبہ بن عامر کے دادا کا نام نابی بن زید تھا، حرام بن کعب ان کے چوتھے، غنم بن کعب چھٹے اور بانی قبیلہ سلمہ بن سعد آٹھویں جد تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر کی والدہ فکیہہ بنت سکن بھی بنو سلمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ کعب بن سلمہ ان کے ساتویں جد تھے۔ ابن حزم نے عامر بن نابی (یانائی) کی ایک ہی اولاد عقبہ کا ذکر کیا ہے (جمهرة انساب العرب ۳۵۹)۔ ابن سعد نے، البتہ حضرت حرام بن محیصہ کی اہلیہ حضرت ام حبان بنت عامر کو حضرت عقبہ بن عامر کی بہن بتایا ہے (الطبقات الکبریٰ، رقم ۴۴۹۲۔ الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، رقم ۱۱۹۴۸)۔

بیعت اسلام

حضرت عقبہ بن عامر نے ۱۱/ نبوی کے حج میں منیٰ میں عقبہ کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک

پر بیعت ایمان کی۔ ان کے ساتھ حضرت رافع بن مالک، حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت عوف بن عفراء، حضرت قطبہ بن عامر اور حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب بھی ایمان لائے۔ان چھ اصحاب کو انصار مدینہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

۱۲/ نبوی (جولائی ۶۲۱ء) کے حج میں کوہ ثبیر کی گھاٹی میں جمرۂ عقبہ کے مقام پر یثرب کے بارہ السابقون الاولون نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، اسے بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ، اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنے ہاتھوں پاؤں کے درمیان (اعضاے صنفی) سے متعلق کوئی بہتان نہ تراشو گے اور معروف میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ تم میں سے جو عہد پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو گا اور جس نے ان میں سے کوئی عہد شکنی کی اور اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو اس کا فیصلہ اللہ کرے گا، چاہے سزا دے، چاہے معاف کر دے (بخاری، رقم ۱۸۔ احمد، رقم ۲۲۷۵۴)۔ ۱۱/ نبوی کی بیعت میں شامل پانچ اصحاب حضرت رافع بن مالک، حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت عوف بن عفراء، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت قطبہ بن عامر کے ساتھ سات مزید اہل ایمان اس بیعت میں شامل ہوئے، ان کے نام یہ ہیں: حضرت معاذ یا حضرت معوذ بن عفراء، حضرت ذکوان بن عبد قیس، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت یزید بن ثعلبہ، حضرت عباس بن عبادہ، حضرت ابوالہیثم بن تیہان اور حضرت عویم بن ساعدہ۔

بیعت عقبۂ ثانیہ

۱۳/ نبوی (جون ۶۲۲ء): ایام تشریق کی درمیانی رات، ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ میں جمرۂ عقبہ کی گھاٹی میں یثرب کے تہتر صحابہ اور دو صحابیات کا اجتماع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا جناب عباس کے ساتھ تشریف لائے۔

آپ نے تلاوت کر کے ارشاد فرمایا: میں تم سے بیعت لیتا ہوں، مستعدی اور کسل مندی میں سمع و طاعت کی، تنگی اور کشادگی میں انفاق کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی، اس بات کی کہ تم اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرو گے، میری نصرت کرو گے جب میں تمھارے

پاس آؤں گا اور میرا دفاع کرو گے ان معاملات میں جن میں اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا دفاع کرتے ہو، بدلے میں تمھیں جنت ملے گی (احمد، رقم ۱۴۶۵۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۲۵۱۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۷۳۵۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۵۵۲۴)۔ حضرت عقبہ بن عامر بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔

نصرت دین اور اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد ضروری ہو گیا تھا، اس لیے بیعت میں دفاع کے الفاظ شامل کیے گئے۔

غزوات

حضرت عقبہ بن عامر غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ تبوک اور تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ جنگ احد میں انھوں نے خود میں سبز علم لگا رکھا تھا۔

غزوۂ تبوک

حضرت عقبہ بن عامر نے بتایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی مہم پر نکلے۔ ہمارا ایک رات کا سفر رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے تو بیدار نہ ہوئے، حتیٰ کہ سورج ایک نیزے جتنا بلند ہو گیا۔ آپ اٹھے اور حضرت بلال سے مخاطب ہوئے: بلال، میں نے آپ کو کہا نہ تھا: ہمارے لیے رات گزرنے کا دھیان رکھنا۔ حضرت بلال نے جواب دیا: مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا: مجھ پر بھی وہی نیند طاری ہوئی جو آپ پر تھی۔ پھر آپ اس جگہ سے چل کر کچھ آگے گئے اور فجر کی دو رکعتیں ادا کیں اور اس کے بعد فجر کی نماز پڑھائی۔

عقبہ بن عامر: ایک یا دو؟

حضرت عقبہ بن عامر (عمر: ابونعیم) سلمی بتاتے ہیں: میں اپنے کم سن بیٹے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا اور عرض کیا: میرے والدین آپ پر فدا ہوں، میرے لڑکے کو کچھ دعائیں تعلیم کرا دیجیے جو وہ اللہ سے مانگے، اس کے لیے آسانی فرما دیں۔ آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی: 'اللّٰهم إني أسئلک صحة في إيمان وإيمانًا في حسن خلق وصلاحًا يتبعه نجاح' (اے اللہ، میں تجھ سے مانگتا ہوں، صحت بحالت ایمان، ایمان حسن خلق کے ساتھ اور ایسی راست روی جس کے بعد نجات ہو جائے)۔ لڑکے کی درخواست

پر آپ نے دعا دہرائی تو اس نے کہا: میں نے ذہن نشین کر لی ہے (معرفۃ الصحابہ، ابو نعیم اصفہانی، رقم ۵۴۱۴)۔

اس واقعے کو ابن اثیر نے حضرت عقبہ بن عامر بن نابی کے حالات میں بیان کیا ہے۔ ابن حجر نے ابو نعیم اصفہانی کے حوالے سے اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا: عقبہ بن عامر بن نابی اور عقبہ بن عامر سلمی، دونوں بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ابن اثیر نے انھیں ایک شخصیت قرار دے دیا، میرا گمان غالب ہے کہ یہ دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر سلمی نے ۳۷ھ میں ہونے والی جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا۔ حضرت عقبہ بن عامر بن نابی تو ۱۱ھ میں جنگ یمامہ میں شہادت پا چکے تھے۔ اس لیے لا محالہ حضرت عقبہ بن عامر سلمی دوسری شخصیت ہیں (الاصابہ، رقم ۵۶۰۴، ۵۶۰۵)۔ اس سے بڑی شہادت یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر بن نابی کی کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے یہ واقعہ ان سے متعلق نہیں ہو سکتا۔

ابو نعیم اصفہانی نے محض عقبہ بن عامر سلمی کا ذکر کیا، ابن عبد البر نے عقبہ بن عامر بن نابی کے حالات بیان کرنے پر کفایت کی۔ ابن اثیر نے عقبہ بن عامر بن نابی اور عقبہ بن عامر سلمی، دونوں کے حالات زندگی یکجا کر دیے، البتہ سارا زور بیان عقبہ بن عامر جہنی کو ممیز کرنے میں لگا دیا۔ ابن حجر نے عقبہ بن عامر بن نابی اور عقبہ بن عامر سلمی کا ذکر الگ الگ کیا۔ نسب انصار کی کتابوں میں عقبہ بن عامر سلمی کا تذکرہ نہیں ملتا۔

تعدد عقبہ کا التباس

حضرت عقبہ بن عامر جہنی بیان کرتے ہیں: میری بہن نے منت مانی تھی کہ وہ بیت اللہ تک پیدل چل کر جائیں گی۔ انھوں نے مجھے کہا کہ آپ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کر لیں۔ میں نے اس مسئلے میں آپ کا حکم دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: وہ پیدل چلیں اور سوار بھی ہو جائیں (بخاری، رقم ۱۸۶۶۔ مسلم، رقم ۴۲۶۰)۔ یہ روایت حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور مسند احمد کی روایتوں میں صراحت ہے۔ دوسری روایات کے الفاظ ہیں: اللہ اس کی پیادہ پائی سے بے نیاز ہے، سواری لے لے اور اونٹ کی قربانی دے دے (ابوداؤد، رقم ۳۳۰۳۔ احمد، رقم ۱۷۷۹۳)۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی ہجرت نبوی کے بعد اسلام لائے اور اصحاب صفہ میں شامل ہوئے۔ غزوات میں شرکت کی اطلاع نہیں، تاہم وہ عہد فاروقی کی فتوحات میں شامل ہوئے۔ جنگ صفین میں حضرت معاویہ کا ساتھ دیا۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت عقبہ جہنی صاحب اولاد تھے اور ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔ اس کے

برعکس حضرت عقبہ بن عامر بن نابی ہجرت سے پہلے ۱۱ / نبوی میں ایمان لائے، تمام غزوات میں شرکت کی، ان کی کوئی اولاد نہ تھی اور ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی گئی۔

محدثین نے روایت مذکورہ میں حضرت ام حبان بنت عامر کو حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی بہن سمجھا ہے، حالاں کہ وہ حضرت عقبہ بن عامر بن نابی کی ہم شیر ہیں، جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا۔ابن حجر کہتے ہیں: میں نے ''فتح الباری'' کے مقدمہ میں یہی لکھا تھا، لیکن میں اب اس سے رجوع کرتا ہوں۔ حضرت عقبہ جہنی کی بہن کوئی اور خاتون ہیں اور ان کا نام معلوم نہیں (فتح الباری، شرح حدیث ۱۸۶۶)۔ ''فتح الباری'' کے مقدمہ میں ام حبال لکھا ہے (۳۱۸/۱)۔ بدرالدین عینی نے ابن حجر سے اتفاق نہیں کیا اور سابقہ محدثین کی رائے اپنائی (عمدۃ القاری، شرح حدیث ۱۸۶۶)۔

شہادت

حضرت عقبہ بن عامر ۱۲ھ (۶۳۴ء۔ ۱۱ھ: ابن کثیر) میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد زکوٰۃ کا نظام قائم ہوا تو کسی مالیاتی نظم کا پابند نہ رہنے والے عرب قبائل کو اپنی آزادی سلب ہوتی نظر آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی خودرائی عود کر آئی اور وہ آمادۂ جنگ ہو گئے۔ان کے ساتھ مدعیان نبوت نے بھی شورش برپا کر دی۔ چنانچہ حضرت ابو بکر کا ابتدائی دور ان فتنوں کو فرو کرنے میں صرف ہو گیا۔ارتداد کی جنگوں میں نمایاں ترین جنگ یمامہ تھی، جو رجب ۱۱ھ (۱۲/ دسمبر ۶۳۲ء) کو حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں بنو حنیفہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف ریاض کے جنوب میں واقع یمامہ (عقرباء) کے مقام پر لڑی گئی۔ چالیس ہزار عربوں نے یہ کہہ کر اس کا ساتھ دیا کہ قبائل ربیعہ کا کذاب ہمیں قبائل مضر کے صادق و امین سے زیادہ محبوب ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اپنے باغ حدیقۃ الرحمٰن میں پناہ لی، لیکن حضرت براء بن مالک ساتھیوں کی مدد سے باغ کی دیوار پر چڑھ گئے اور اندر کود کر دروازہ کھول دیا۔ جیش اسلامی باغ میں داخل ہوا اور شدید جنگ کے بعد فتح حاصل کی۔اس معرکے میں اکیس ہزار منکرین نبوت جہنم رسید ہوئے، ستر حفاظ قرآن صحابہ سمیت بارہ سو مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے، ان میں تین سو ساٹھ انصاری تھے۔اس دن کی لڑائی کو 'معرکۃ حدیقۃ الموت' کہا جاتا ہے۔ مسیلمہ کو حضرت وحشی نے جہنم واصل کیا۔ حضرت عقبہ بن عامر نے بھی جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت زید بن خطاب، حضرت ابو دجانہ انصاری، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، حضرت سالم مولیٰ

ابو حذیفہ، حضرت سہل بن عدی اور حضرت عبد اللہ بن عتبان شہدا میں شامل تھے۔

اولاد

حضرت عقبہ بن عامر کی کوئی اولاد نہ تھی (ابن سعد، دمیاطی)۔

خصوصیات

حضرت عقبہ بن عامر نے اسلام کے پہلے معلم حضرت مصعب بن عمیر سے کسب فیض کیا۔ وہ خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرتے اور تفسیر قرآن سے انھیں خاص شغف تھا۔

روایت حدیث

حضرت عقبہ بن عامر سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

مطالعۂ مزید: کتاب المغازی (واقدی۔ Oxford University ۱۹۷۷ء)، السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام۔ دار الخیر ۱۹۹۵ء)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد۔ دار الفکر ۱۹۹۴ء)، معرفۃ الصحابۃ (ابو نعیم اصفہانی۔ دار الوطن، ۱۹۹۸ء)۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر۔ دار الجیل ۱۹۹۲ء)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی۔ دار الفکر ۱۹۹۵ء)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر۔ دار احیاء التراث العربی ۱۳۷۷ھ)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر۔ دار ابن کثیر ۲۰۰۷ء)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر۔ دار المعرفۃ ۲۰۰۴ء)، Wikipedia۔

ڈاکٹر محمد سعد سلیم

علامات قیامت: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں

(۳)

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

دجال کا دورانیہ (۱۹۱۷ء—۱۹۹۱ء)

احادیث کے مطابق، دجال کا دورانیہ ۴۰ دن ہو گا، ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا، ایک دن ایک مہینے کے برابر، اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہو گا اور بقیہ دن عام دنوں کی طرح۔[۷۱]

بالکل اسی طرح جیسے ''کتاب دانیال[۷۲]'' اور ''کتاب مکاشفہ''[۷۳] میں پیشین گوئیوں میں ریاضی کی پہیلیاں پیش کی گئی ہیں، یہ بھی ایک ریاضی کی پہیلی ہے۔ اس پہیلی میں ''دن'' ادوار کی نمایندگی کرتے ہیں۔ اگر الٹا پڑھا جائے تو پہلا دور ایک ہفتہ، یعنی ۷ دن کا، دوسرا دور ایک مہینا، یعنی ۳۰ دن کا، اور باقی ۳۸ (کل ۴۰ دنوں میں سے) عام دنوں کی طرح، یعنی یہ ۳۸ ادوار کی نمایندگی نہیں کرتے۔ ''ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا'' کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن حقیقی وقت میں ایک سال کے مساوی ہے۔

یہ ادوار —— ۷ سال، ۳۰ سال، اور ۳۸ سال —— دجال کے اثرات کے مختلف مراحل کی نمایندگی

---

71. Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a

72. Daniel 9:24-27: https://www.bible.com/bible/111/dan.9.24-27.NIV

73. Revelation 13:18: https://www.bible.com/bible/111/REV.13.18.NIV

کرتے ہیں:

پہلا دور -۷ سال (انقلابی ابتدا— لینن کا دور): ۱۹۱۷ء کے فروری انقلاب کے بعد، لینن کی روس واپسی جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ[۴] میں ہوئی، جس کے بعد کمیونسٹوں میں سے بالشویک گروہ ایک طاقت کے طور پر اٹھا اور اسی سال انقلاب برپا کیا۔ لینن کی یہ واپسی اس کی وفات، جو جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ[۵] میں واقع ہوئی، سے ٹھیک سات سال قبل ہوئی، جو ایک ہفتے کے دورانیے کی علامتی نمایندگی کرتی ہے۔ لینن کے دور میں انقلابی تحریکوں نے زور پکڑا اور سوویت ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔

دوسرا دور - ۳۰ سال (طاقت کا عروج —اسٹالن کا دور): اسی طرح، جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ[۶] میں اسٹالن کی موت واقع ہوئی، جو لینن کی وفات کے ٹھیک ۳۰ اسلامی سال بعد کا واقعہ ہے، اور یہ مہینے کے دورانیے کی علامتی نمایندگی کرتی ہے۔ اسٹالن کے دور میں اقتدار کو مضبوط کیا گیا، سوویت یونین کو تیزی سے صنعتی ترقی کی راہ پر گامزن کیا گیا، اور ساتھ ہی عوام پر سخت جبر اور خوف کا نظام نافذ کیا گیا۔ اسٹالن کی حکمرانی میں سوویت ریاست نے ایک عالمی طاقت کا درجہ حاصل کیا۔

تیسرا دور - ۳۸ سال (زوال کا آغاز اور انجام): اس کے بعد کے ادوار میں سوویت یونین کی قیادت اور کمیونسٹ تحریک کی شدت میں وہ نمایاں پہلو نظر نہیں آیا جو لینن اور اسٹالن کے عہد میں تھا۔ اسٹالن کی موت کے بعد کمیونزم نے، بلاشبہ دنیا بھر میں پھیلاؤ حاصل کیا، اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکا میں انقلابات اور حکومتوں پر گہرے اثرات ڈالے۔ مگر اندرونی ناکامیاں، اقتصادی مسائل، قوم پرستی کی تحریکیں، اور سرد جنگ کے بین الاقوامی دباؤ نے سوویت یونین اور کمیونسٹ بلاک کو بتدریج کمزور کر دیا۔ بالآخر، اسٹالن کی موت کے ٹھیک ۳۸ اسلامی سال بعد، جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ[۷] میں دیوار برلن کے گرنے کے ساتھ ہی کمیونسٹ پارٹی کی

۴۔ اسلامی مہینا، ترکی کے اسلامی کیلنڈر کنورٹر کے مطابق، ۱۶/ اپریل ۱۹۱۷ء کے حساب سے نکالا گیا:
https://webspace.science.uu.nl/~gent0113/islam/diyanetcalendar.htm

۵۔ ۲۱/ جنوری ۱۹۲۴ء کے مطابق۔

۶۔ ۵/ مارچ ۱۹۵۳ء کے مطابق۔

۷۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ۲۳/ جنوری ۱۹۹۰ء کو پارٹی کی طاقت پر اجارہ داری ختم کرنے کے لیے ووٹ دیا، جس سے کثیر الجماعتی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔

اجارہ داری کو ختم کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دنیا بھر میں کمیونزم کے زوال کی علامت بن گیا، جس کے بعد سوویت یونین کے ٹوٹنے اور عالمی سطح پر کمیونسٹ تحریک کے کم زور پڑ جانے کا عمل تیزی سے اسٹالن کی موت کے ٹھیک ۴۰ اسلامی سال بعد، جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ[78] میں مکمل ہوا۔

دجال کی تعداد—۳۰ کمیونسٹ ریاستیں

حدیث کے مطابق، تقریباً تیس دجال ہوں گے، جو نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔[79]

یہ تعداد تقریباً دنیا میں ماضی کی تیس کمیونسٹ ممالک سے مطابقت رکھتی ہے۔ دجال کو جھوٹا نبی کہا گیا ہے، کیونکہ وہ جھوٹے طور پر اقتدار، اخلاقی برتری اور انسانیت کی رہنمائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک حقیقی نبی جو الٰہی ہدایت فراہم کرتا ہے، کے برعکس دجال شیطان کا نمایندہ ہے — بالکل ''کتاب مکاشفہ'' کے ''جھوٹے نبی'' کے مانند، جو شیطان کی آواز میں بولتا ہے۔[80] جھوٹے نبیوں کی طرح، کمیونسٹ حکومتوں نے خود کو مطلق سچائی کا علم بردار بنا کر پیش کیا، اپنے نظریے کو انسانیت کے لیے واحد روشنی قرار دیا اور طاقت کے ذریعے سے اطاعت مسلط کی۔

اس تناظر میں سوویت یونین کو مرکزی دجال سمجھا گیا ہے۔ کچھ کمیونسٹ ریاستیں مختصر مدت کے لیے قائم رہیں اور بعد میں سابق سوویت یونین میں ضم ہو گئیں، جب کہ بعض میں مخلوط نظام پایا جاتا تھا، جس کی وجہ سے حدیث میں ''تقریباً'' کا ذکر کیا گیا۔ ان ریاستوں میں سے تمام یا تو تحلیل ہو چکی ہیں یا اصلاحات کے ذریعے سے اپنے نظریات بدل چکی ہیں۔[81]

۷۸؎ ۲۶/ دسمبر ۱۹۹۱ء کے مطابق۔

79. Sahih Bukhari 7121: https://sunnah.com/bukhari:7121

80. Revelation 19:20: https://www.bible.com/bible/111/REV.19.20.NIV

۸۱؎ ۱۔ چین (پیپلز ریپبلک آف چائنا)—۷۸-۱۰۷ء سے ۱۹۴۹ء-۱۹۸۰ء کی دہائی تک (ڈینگ ژیاوپنگ کے تحت اقتصادی اصلاحات)۔

۲۔ کیوبا—۱۹۵۹ء سے ۲۰۰۲ء (نظریاتی زور مارتی (خوسے مارتی) اور کاسٹروازم پر دیا گیا)۔

۳۔ ویتنام (سوشلسٹ ریپبلک آف ویتنام)—۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک (Đổi Mới اصلاحات)۔

۴۔ لاؤس (لاؤ پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک)—۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۶ء تک (نیو اکنامک میکانزم اصلاحات)۔

۵۔ شمالی کوریا (ڈیموکریٹک پیپلز ریپبلک آف کوریا)—۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۲ء (جوچے نظریہ سے بدل دیا گیا)۔

۶۔ سوویت یونین (یو ایس ایس آر)—۱۹۲۲ء سے ۱۹۹۱ء تک (پیریسترویکا اور زوال)۔

۷۔ مشرقی جرمنی (جرمن ڈیموکریٹک ریپبلک)—۱۹۴۹ء سے ۱۹۹۰ء تک (مغربی جرمنی کے ساتھ دوبارہ اتحاد)۔

۸۔ پولینڈ (پیپلز ریپبلک آف پولینڈ)—۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۹ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

۹۔ چیکوسلوواکیہ (چیکوسلوواک سوشلسٹ ریپبلک)—۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۹ء تک (ویلویٹ انقلاب)۔

۱۰۔ ہنگری (ہنگری کی عوامی جمہوریہ)—۱۹۴۹ء سے ۱۹۸۹ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

۱۱۔ رومانیہ (سوشلسٹ ریپبلک آف رومانیہ)—۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۹ء تک (چاؤشسکو کے زوال)۔

۱۲۔ بلغاریہ (پیپلز ریپبلک آف بلغاریہ)—۱۹۴۶ء سے ۱۹۹۰ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

۱۳۔ البانیا (پیپلز سوشلسٹ ریپبلک آف البانیا)—۱۹۴۶ء سے ۱۹۹۲ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

۱۴۔ یوگوسلاویہ (سوشلسٹ فیڈرل ریپبلک آف یوگوسلاویہ)—۱۹۴۳ء سے ۱۹۹۲ء تک (آزاد ریاستوں میں تقسیم)۔

۱۵۔ منگولیا (منگولین پیپلز ریپبلک)—۱۹۲۴ء سے ۱۹۹۰ء تک (جمہوری اصلاحات)۔

۱۶۔ جنوبی یمن (پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک آف یمن)—۱۹۶۷ء سے ۱۹۹۰ء تک (شمالی یمن کے ساتھ اتحاد)۔

۱۷۔ افغانستان (ڈیموکریٹک ریپبلک آف افغانستان)—۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۲ء تک (کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ)۔

۱۸۔ انگولا (پیپلز ریپبلک آف انگولا)—۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۱ء تک (کثیر جماعتی نظام اور اقتصادی اصلاحات)۔

۱۹۔ موزمبیق (پیپلز ریپبلک آف موزمبیق)—۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۰ء تک (کثیر جماعتی جمہوریت)۔

۲۰۔ بینن (پیپلز ریپبلک آف بینن)—۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۰ء تک (جمہوری اصلاحات)۔

۲۱۔ کانگو-برازاویلے (پیپلز ریپبلک آف کانگو)—۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۱ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

۲۲۔ ایتھوپیا (ڈیرگ حکومت، بعد میں پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک آف ایتھوپیا)—۱۹۷۴ء سے ۱۹۹۱ء تک (ڈیرگ حکومت کا خاتمہ)۔

۲۳۔ کمبوڈیا (ڈیموکریٹک کمپوچیا، خمیر روج کے تحت)—۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۹ء تک (ویتنامی حملے کے بعد زوال اور پیپلز ریپبلک آف کمپوچیا کا قیام)۔

۲۴۔ کمپوچیا (پیپلز ریپبلک آف کمپوچیا)—۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۳ء تک (اقوام متحدہ کے زیر نگرانی امن معاہدوں کے بعد جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

۲۵۔ تانوتووا (تووان پیپلز ریپبلک)—۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۴ء تک (سوویت یونین کے ذریعے سے الحاق)۔

۲۶۔ بیرونی منگولیا (۱۹۲۴ء سے قبل منگولین پیپلز ریپبلک)—۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک (منگولین پیپلز ریپبلک کا پیش خیمہ)۔

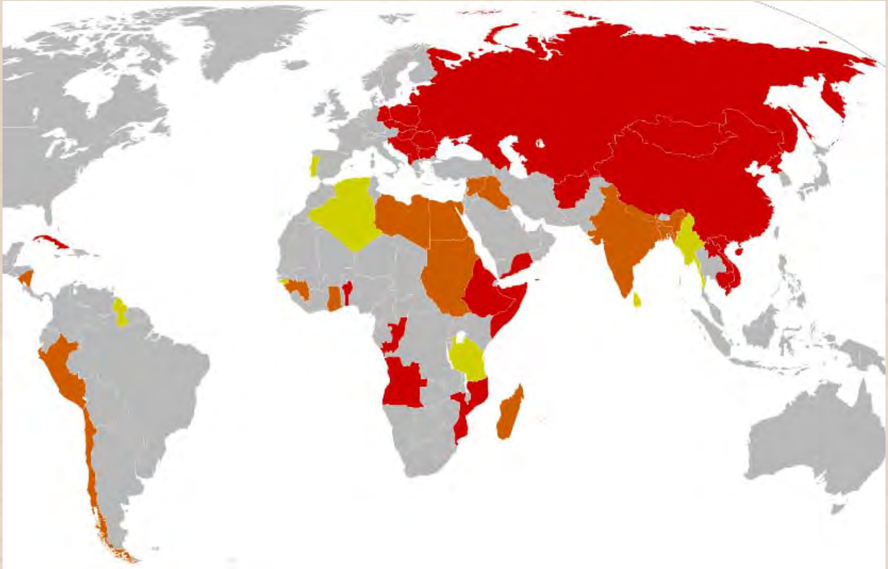

شکل ۲: یہ تاریخ میں تمام ریاستوں کا نقشہ ہے، جن پر کمیونزم کا اثر رہا ہے (’سرخ‘ رنگ میں دکھائے گئے ممالک وہ ہیں جو یک جماعتی نظام کے ساتھ رسمی کمیونسٹ ریاستیں تھیں؛ دیگر رنگ ان ممالک کی نمایندگی کرتے ہیں جہاں اثر موجود تھا، لیکن کثیر الجماعتی نظام قائم رہا)۔ یہ نقشہ دنیا بھر میں کمیونزم کی پہنچ کو ظاہر کرتا ہے۔[۸۲]

دجال کا دنیا کا سفر

حدیث[۸۳] میں دجال کے دنیا کے سفر کو ہوا سے اُڑائی گئی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، جو اس کی تیز رفتاری

۲۷۔ صومالیہ (صومالی ڈیموکریٹک ریپبلک)—۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۱ء تک (ناکام ریاست بننے کے بعد زوال)۔

۲۸۔ نکاراگوا (ساندنیستا حکومت کے تحت)—۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۰ء تک (۱۹۹۰ء کے انتخابات میں امریکی حمایت یافتہ اپوزیشن سے شکست کے بعد اقتدار کا خاتمہ)۔

۲۹۔ گرینیڈا (ماریس بشپ کی نیو جیول مومنٹ کے تحت)—۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۳ء تک (داخلی تنازعات کے بعد امریکی فوجی مداخلت سے خاتمہ)۔

۳۰۔ چلی (سالواڈور آلینڈے کے تحت پاپولر یونٹی)—۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۳ء تک (اگسٹو پنوشے کی قیادت میں امریکی حمایت یافتہ فوجی بغاوت کے ذریعے سے حکومت کا خاتمہ)۔

82.https://en.wikipedia.org/wiki/List_of_communist_states#/media/File:Communist_Block.svg

83. Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a

اور عالمی اثرات کی علامت ہے۔ اسی طرح کمیونزم بھی دنیا کے ہر براعظم میں پھیلا، مگر آخر کار بارش کی طرح تھم کر ختم ہو گیا۔

دجال کی آزمائش سے بڑی کوئی آزمائش نہیں ہو گی

حدیث[۸۴] میں دجال کی آزمائش کو سب سے بڑی آزمائش کہا گیا ہے۔ اپنے عروج کے وقت دنیا کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی کمیونسٹ حکومتوں کے زیر اثر تھی۔[۸۵] یہ انسانی تاریخ میں مذہبی جبر اور آزادیوں کی خلاف ورزی کے وسیع ترین واقعات میں سے ایک تھا، جس نے اربوں افراد کو متاثر کیا۔

مسلمان دجال کی آزمائشوں سے بچنے کے لیے پہاڑوں میں پناہ لیں گے

احادیث[۸۶،۸۷] ایک ایسے وقت کا ذکر کرتی ہے جب مسلمان شدید فتنوں، بشمول دجال کے ظہور کے دوران میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے پہاڑوں اور وادیوں جیسے دور دراز مقامات کی طرف ہجرت کریں گے۔ تاریخی طور پر، وہ لوگ جو اپنے مذہبی عقائد کو محفوظ رکھنے کے لیے پناہ گزین ہوئے، ان میں مثال کے طور پر لیکوف خاندان شامل ہے،[۸۸] جو اباکان کے پہاڑوں میں جا بسے، اور چین سے تعلق رکھنے والے ایغور مسلمان، جو بیسویں صدی کے وسط میں پاکستان کے شمالی پہاڑی علاقوں میں ہجرت کر گئے۔[۸۹]

دجال سے حفاظت کے لیے سورۂ کہف کی تلاوت

احادیث[۹۰] میں سورۂ کہف کی تلاوت کی خاص تاکید کی گئی ہے، جو دجال کے فتنے جیسے عظیم امتحانات کے دوران میں مومنوں کے ایمان، عزم اور بصیرت کو تقویت بخشتی ہے۔ یہ ہدایت اس واقعے سے مماثلت رکھتی

84. Sahih Muslim 2946a: https://sunnah.com/muslim:2946a
85. Princeton University Press, The Rise and Fall of Communism, accessed at: https://assets.press.princeton.edu/chapters/s11095.pdf
86. Sahih Bukhari 19: https://sunnah.com/bukhari:19
87. Sahih Muslim 2945a: https://sunnah.com/muslim:2945a
88. https://en.wikipedia.org/wiki/Lykov_family
89. https://en.wikipedia.org/wiki/Uyghurs_in_Pakistan
90. Sahih Muslim 809a: https://sunnah.com/muslim:809

ہے جو ''اصحاب کہف'' کے بارے میں بیان ہوا — جنھوں نے مذہبی جبر اور آزمایش کے دور میں حق پر قائم رہنے کے لیے ہجرت کی اور اللہ کی پناہ میں جا بسے۔

دجال کے واقعات

ذیل میں حدیث میں بیان کردہ واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے:

دجال کے ستر ہزار اصفہان کے یہودی پیروکار — ولنا کے یہودیوں میں سوشلسٹ رجحانات (بیسویں صدی کے اوائل میں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق دجال کے پیروکاروں میں اصفہان کے ستر ہزار یہودی شامل ہوں گے، جنھوں نے چادریں (طیالسہ) لی ہوں گی۔[91]

اصفہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہودیوں کا ایک معروف علمی و مذہبی مرکز تھا، جہاں کی یہودی برادری تلمودی علم، فقہی بصیرت اور مذہبی قیادت کے حوالے سے خاصی بااثر سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ بیسویں صدی کے آغاز میں اصفہان میں یہودی کمیونٹی موجود تھی، لیکن وہ علمی و فکری لحاظ سے اس حیثیت کی حامل نہ تھی جس کے لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معروف تھی۔ اسی طرح کی ایک فکری روایت ہمیں بیسویں صدی کے اوائل میں ولنا (ولنیئس) میں بھی نظر آتی ہے، جسے ''شمال کا یروشلم'' کہا جاتا تھا۔ یہاں کی یہودی برادری مدارس، کتب خانوں اور فکری مجالس کے مضبوط نظام کے ذریعے سے علم و ثقافت کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ساتویں صدی کے اصفہان کے یہودی اور بیسویں صدی کے اوائل میں ولنا کے یہودی، اگرچہ مختلف ادوار اور ماحول سے تعلق رکھتے تھے، مگر ایک ملتی جلتی روایت — یعنی علم و دانش، مذہبی قیادت اور فکری سرگرمی — میں شریک نظر آتے ہیں۔ ان دونوں ادوار و مقامات میں مذہبی اور ثقافتی شناخت کے اظہار کا ایک خاص اسلوب تھا — اصفہان میں چادر کی صورت میں، تو ولنا میں یدیش زبان و ادب کی روایت کے طور پر۔ حدیث میں مذکور ''چادر'' ایسی ہی روایات کا علامتی حوالہ ہے، جو ان کی تہذیبی و دینی وابستگی کی نمایندگی کرتی ہے۔

حدیث میں مذکور ''ستر ہزار'' کا عدد ولنا میں بیسویں صدی کے آغاز میں موجود یہودی آبادی کی طرف

91. Sahih Muslim 2944: https://sunnah.com/muslim:2944

اشارہ ہے، جو ۱۸۹۷ء میں ۶۳,۰۰۰ تھی اور ۱۹۰۱ء میں بڑھ کر ۷۶,۰۰۰ ہو گئی۔ اسی دور میں ولنا کی یہودی برادری انقلابی تحریکوں، بالخصوص سوشلسٹ اور مارکسی نظریات میں بھرپور طور پر متحرک تھی۔ خاص طور پر ۱۸۹۷ء میں ”جنرل یہودی مزدور پارٹی“ کا ولنا میں قیام اور ۱۹۰۵ء کے ناکام روسی انقلاب میں ان کی شرکت قابل ذکر ہے، جہاں ولنا کے یہودیوں نے واضح طور پر ایک سوشلسٹ ایجنڈے کے تحت انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔[92]

مشرق کی سمت سے آنا اور شام اور عراق کے درمیان ظاہر ہونا — سوویت یونین کا مغرب کے مقابل نئی عالمی طاقت کے طور پر ظہور (۱۹۲۲ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شام اور عراق کے درمیان کا خطہ بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں کے درمیان ایک متنازعہ سرحدی علاقہ تھا، جہاں کسی ایک طاقت کو مستقل اور بلامزاحمت غلبہ حاصل نہ تھا۔ احادیث[93] میں دجال کے اسی علاقے میں ظاہر ہونے کا ذکر، دو اہم علامتی مفاہیم رکھتا ہے: اول، یہ کہ دجال کسی موجودہ طاقت کا تسلسل نہیں ہوگا، بلکہ ایک نئی اور خود مختار قوت کے طور پر اُبھرے گا؛ دوم، یہ کہ اس کا ظہور مدینہ کے مشرق کی جانب سے ہوگا۔[94]

تاریخی طور پر، سوویت یونین کا بیشتر حصہ مدینہ کے مشرق میں واقع تھا، اور جب یہ ۱۹۲۲ء میں وجود میں آیا تو دنیا بھر میں اسے مشرق سے اُبھرنے والی ایک نئی طاقت کے طور پر دیکھا گیا — نہ صرف جغرافیائی لحاظ سے، بلکہ نظریاتی اعتبار سے بھی۔ کمیونزم، سرمایہ دارانہ مغربی دنیا کے مقابل ایک انقلابی نظام کے طور پر پیش کیا گیا، جس نے مذہب، معاشرت اور سیاست میں ایک نئی جہت متعارف کرائی۔ اس لحاظ سے، دجال کے مشرق سے ظہور کی علامت اور سوویت یونین کا قیام ایک گہری معنوی مماثلت رکھتے ہیں۔

دجال کا رزق دینا اور لوگوں کا ایمان لانا — سوویت یونین کی مصنوعی خوش حالی اور پروپیگنڈا (۱۹۲۸ء–۱۹۳۲ء)

حدیث[95] کے مطابق، دجال لوگوں کو بلائے گا، اور وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ دجال حکم دے گا، آسمان بارش برسائے گا، اور زمین فصلیں اگائے گی اور جانور دودھ سے بھرے ہوں گے۔

92. https://encyclopedia.yivo.org/article/982
93. Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a
94. Sahih Muslim 2942a: https://sunnah.com/muslim:2942a
95. Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a

یہ منظر سوویت یونین کے ابتدائی دور، خاص طور پر پہلے پانچ سالہ منصوبے (۱۹۲۸ء–۱۹۳۲ء)[96] کے دوران میں علامتی طور پر دجال کے فریب کی عکاسی کرتا ہے — لوگوں نے اس نظام کو مذہبی عقیدے جیسی یقین دہانی کے ساتھ قبول کیا، اور ریاست نے بظاہر معجزاتی نتائج دیے: گونجتے کارخانے، بھرپور فصلیں اور خوش حالی کا ایک مصنوعی تاثر۔ ''اسٹاخانوف تحریک''[97] جیسے اقدامات میں مزدوروں کو ناقابل یقین اہداف سے بھی آگے بڑھتے ہوئے دکھایا گیا، جس سے یہ تاثر مضبوط ہوا کہ کمیونزم فطرت کو قابو میں لا سکتا ہے اور لامحدود ترقی لا سکتا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے دجال بارش اور مال و دولت لا کر لوگوں کو متاثر کرے گا۔

لوگوں کا دجال کی دعوت کو رد کرنا، اور دجال کا ان کو قحط اور مفلسی میں مبتلا کرنا—ہولودومور قحط (۱۹۳۲ء–۱۹۳۳ء)

حدیث[98] کے مطابق، دجال ان لوگوں کے پاس جائے گا جو اس کی دعوت کو رد کریں گے، اور وہ قحط، بھوک اور مال و دولت کے نقصان کا شکار ہوں گے، یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی مال و دولت باقی نہیں رہے گا۔

یہ منظر یوکرین کے کسانوں سے مشابہت رکھتا ہے جنھوں نے کمیونسٹ اجتماعی زراعت کی مخالفت کی۔ ریاست نے خوراک ضبط کر لی، رسد بند کر دی، اور مزاحمت کو کچل دیا، جس کے نتیجے میں ہولودومور (۱۹۳۲ء–۱۹۳۳ء) جیسا انسان ساختہ قحط پیدا ہوا۔ قدرتی قحط نہ ہونے کے باوجود، پالیسیوں نے کھیتوں کو ویران، مویشیوں کو ہلاک، اور عوام کو بھوک کا شکار کر دیا۔ جیسے دجال انکار کرنے والوں کو تباہی میں چھوڑ دیتا ہے، ویسے ہی ریاست نے ان لوگوں کو مکمل بربادی میں چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں پینتیس سے پچاس لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔[99]

دجال کا ویران زمین سے خزانے کو نکالنا—سوویت یونین کا دور دراز علاقوں سے معدنیات کو نکالنا (۱۹۳۳ء کے بعد)

حدیث[100] کے مطابق، دجال ایک ویران زمین سے گزرے گا اور کہے گا: ''اپنے خزانے نکالو''، تو زمین کے خزانے نکل کر مکھیوں کے جھرمٹ کی طرح اس کے گرد جمع ہو جائیں گے۔

96. https://en.wikipedia.org/wiki/First_five-year_plan_(Soviet_Union)
97. https://en.wikipedia.org/wiki/Stakhanovite_movement
98. Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a
99. https://en.wikipedia.org/wiki/Holodomor
100. Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a

یہ منظر اس دور سے مشابہ ہے جب سوویت یونین نے نظریاتی گرفت مضبوط کرنے کے بعد سائبیریا، وسطی ایشیا اور یورال جیسے دور افتادہ اور ویران علاقوں کا رخ کیا، اور وہاں سے قدرتی وسائل نکالنے کا وسیع عمل شروع ہوا۔ خصوصاً دوسرے پانچ سالہ منصوبے (۱۹۳۳ء–۱۹۳۷ء) کے دوران میں سونا، کوئلہ، تیل اور دیگر معدنیات جبری مشقت اور ریاستی صنعت کاری کے ذریعے سے حاصل کی گئیں، اور ان قیمتی وسائل کو یوں مرکز میں جمع کیا گیا جیسے دجال کے ایک حکم پر خزانے زمین سے نکل کر اس کے گرد سمٹ آئے ہوں۔ یہ عمل صرف ایک منصوبے تک محدود نہ رہا، بلکہ بعد کے سالوں میں بھی سوویت معیشت کا مرکز و محور یہی وسائل رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور ان کا دجال سے مقابلہ (۱۹۴۲ء-۱۹۹۱ء)

دجال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مابین ہونے والے مقابلے کی تفصیل اس باب میں نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلقہ باب میں بیان کی گئی ہے۔

دجال کا مدینہ میں داخل ہونے سے قاصر رہنا — مسلم دنیا میں سوویت اثر و رسوخ کی ناکامیاں (بیسویں صدی کا دوسرا حصہ)

حدیث میں ذکر ہے کہ دجال مدینہ کے قریب قیام کرے گا، لیکن مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، کیونکہ فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔ پھر فرشتے اس کا رخ شام کی طرف موڑ دیں گے اور وہیں وہ ہلاک ہو جائے گا۔[101]

"مدینہ" یہاں صرف ایک شہر نہیں، بلکہ پوری مسلم امت کی نمایندگی کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مدینہ مسلمانوں کی ریاست کا مرکز تھا۔ دوسری جانب، شام اس وقت بازنطینی عیسائیوں کا علاقہ تھا، جو عیسائی دنیا کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس حدیث کو علامتی طور پر سویت یونین کے مسلم دنیا میں اپنے قدم جمانے میں ناکامی کے بعد اپنے اختتام سے پہلے عیسائی دنیا کی طرف رخ کرنے کے طور پر تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سوویت یونین ایک عالمی طاقت کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا اور دنیا بھر میں اپنے اثر و رسوخ کو پھیلایا، جس میں مسلمانوں کو سوویت بلاک میں شامل کرنے اور کمیونزم اختیار کرنے کی کوششیں بھی شامل تھیں۔ تاہم، سوویت حکومت کا دہریہ نظریہ مسلم دنیا کے قدامت پسند اور گہرے مذہبی ماحول سے شدید طور پر متصادم تھا۔ یہی نظریاتی اختلاف مسلمانوں کی دنیا میں کمیونزم کی قبولیت اور اثر و رسوخ

101. Sahih Muslim 1380: https://sunnah.com/muslim:1380

کو محدود رکھنے کا باعث بنا۔— اور یوں، دجال مدینہ میں داخل نہ ہو سکا۔

مدینہ میں تین جھٹکے— امت مسلمہ کو درپیش عالمی سیاسی و فکری بحران

حدیث[102] کے مطابق مدینہ تین بار لرزے گا، جس کے بعد ہر منافق اور کافر مدینہ سے باہر نکل کر دجال کی طرف چلا جائے گا۔ اس کی تشریح غالباً درج ذیل میں بیان تین تاریخی واقعات ہیں:

۱۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام اور نکبہ — ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد لاکھوں فلسطینی بے دخل کر دیے گئے، جسے نکبہ (یعنی تباہی) کہا جاتا ہے۔ سینکڑوں دیہات تباہ ہوئے اور فلسطینی پناہ گزین بن گئے۔ مسلم دنیا نے اسے مغربی طاقتوں کی پشت پناہی سے ہونے والا بڑا ظلم سمجھا۔ اس سانحے نے عرب معاشروں کو ہلا کر رکھ دیا اور کئی نوجوانوں اور دانش وروں کو کمیونسٹ تحریکوں کی طرف راغب کیا تاکہ مزاحمت کی راہ اپنائی جا سکے۔

۲۔ ۱۹۵۶ء کا سویز بحران — جب ۱۹۵۶ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے سویز نہر پر حملہ کیا تو مصر نے اس جارحیت کے خلاف سوویت یونین سے سفارتی اور سیاسی مدد حاصل کی۔ یہ پہلا بڑا موقع تھا جب کسی عرب ریاست نے کھلے عام سوویت طاقت پر انحصار کیا۔ اس واقعے نے مشرق وسطیٰ میں بائیں بازو کے نظریات کو فروغ دیا، جس کے نتیجے میں عراق اور شام میں بعث پارٹی جیسے قوم پرست اور سوشلسٹ گروہ اقتدار میں آئے، جب کہ جنوبی یمن میں ایک باقاعدہ کمیونسٹ ریاست قائم ہوئی۔

۳۔ ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ — ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل کی فتح نے عرب قوم پرستی کو شدید دھچکا پہنچایا، جس کے نتیجے میں بائیں بازو کے نظریات کی ایک نئی لہر اُٹھی۔ اس کے اثرات سے فلسطینی مزاحمتی تحریکوں میں مارکسی دھڑوں کا ظہور ہوا، جن میں پی ایل ایف پی (پاپولر فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین) نمایاں تھا، جس نے کھلے عام سوویت حمایت یافتہ انقلابی راستے کو اپنایا۔

[باقی]

102. Sahih Bukhari 7124: https://sunnah.com/bukhari:7124

ڈاکٹر شہزاد سلیم

ترجمہ: کوکب شہزاد

کیا خواتین مردوں سے کم عقل ہیں؟

[ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کی کتاب "Islam and Women: Misconceptions and Misperceptions" کے اردو ترجمہ "اسلام اور خواتین: حقائق اور غلط فہمیاں" سے انتخاب۔]

مندرجہ ذیل حدیث کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں کم عقل ہوتی ہیں:

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلّٰى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ... مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ»، قُلْنَ: مَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ»؟ قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: «فَذَالِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ»؟ قُلْنَ:

"حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے موقع پر نماز پڑھنے کی جگہ پر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اے خواتین کے گروہ، ... باوجود ناقصات عقل و دین ہونے کے میں نے تم سے زیادہ کسی کو مضبوط ارادے والے مرد کو مخبوط الحواس کرتے نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے مذہبی اور دنیاوی امور میں کیا نقص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی

بَلٰى، قَالَ: «فَذَالِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا».

(بخاری، رقم ۲۹۸)

مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے دنیاوی امور کا نقص ہے۔ (آپ نے فرمایا): کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت جب حیض سے ہوتی ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ان کے دینی امور کا نقص ہے۔“

اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ اس حدیث میں عربی کی ترکیب 'نَاقِصَاتُ عَقْلٍ وَ دِيْنٍ' کا غلط ترجمہ ہے۔ عام طور سے لفظ 'نقص' کے وہی معنی لیے جاتے ہیں جو اردو میں 'نقص'، یعنی عیب کے ہیں، جب کہ عربی کے فعل 'نقص' کے معنی کم کرنے کے ہیں[1] اور جب 'عقل' کا لفظ 'دین' کے ساتھ اس طرح استعمال ہوتا ہے تو 'عقل' کے معنی 'دنیاوی امور' کے ہوتے ہیں۔ اگر ان دونوں پہلوؤں کو اور سیاق وسباق کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو 'نَاقِصَاتُ عَقْلٍ وَ دِيْنٍ' کے معنی یہ ہوں گے کہ خواتین کو دنیا اور دین کے معاملات میں رعایت دی گئی ہے۔ دنیاوی امور میں رعایت، جیسا کہ اس حدیث میں آگے بیان ہوا ہے، یہ ہے کہ انھیں بعض معاملات میں زحمت نہیں دی گئی۔ مثال کے طور پر قرآن مجید قانونی دستاویزات میں گواہ بننے کی ترغیب مردوں کو دیتا ہے اور خواتین کو عدالتوں کے چکر لگانے اور اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی زحمت نہیں دینا چاہتا، جب کہ کوئی دوسرا یہ کام بخوبی کر سکتا ہے۔ معاشرے کو چاہیے کہ وہ خواتین کو اس طرح کے معاملات میں صرف اسی وقت شامل کرے جب مرد میسر نہ ہوں۔

اسی طرح اسلام نے خواتین کو دین کے معاملات میں یہ رعایت دی ہے کہ انھیں مخصوص ایام میں نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا مکلف نہیں ٹھیرایا گیا، جیسا کہ حدیث میں آگے بیان ہوا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ضروری نہیں کہ دو مختلف زبانوں میں مستعمل ایک ہی لفظ کے معنی بھی ایک ہوں۔ مثال کے طور پر لفظ 'غلیظ' کے معنی عربی میں 'مضبوط' کے ہیں، جب کہ اردو میں 'غلیظ' کے معنی 'گندے' کے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید (النساء ۴: ۲۱) نے نکاح کو 'مِيْثَاقًا غَلِيْظًا'، یعنی 'مضبوط معاہدہ'

۱۔ لسان العرب، ابن منظور ۷/ ۱۰۰۱۔

کہا ہے۔

مزید برآں، جو لوگ اس حدیث کی بنا پر خواتین کو مردوں سے کم عقل سمجھتے ہیں، وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ حدیث میں خواتین کو صرف 'ناقصات عقل' نہیں کہا گیا، بلکہ 'ناقصات دین' بھی کہا گیا ہے۔ اگر 'ناقصات عقل' کے معنی یہ لیے جائیں کہ خواتین عقل میں مردوں سے کم تر ہیں تو پھر 'ناقصات دین' کے معنی یہ لینے پڑیں گے کہ جس دین کی وہ پیروی کرتی ہیں، اس میں بھی کچھ خلل اور کمی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات درست نہیں ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ غلط فہمی اردو میں 'نقص' کے جو معنی ہیں، وہی عربی میں مراد لینے سے پیدا ہوئے ہیں، ورنہ اس حدیث میں جو بات بیان ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خواتین کو بعض دنیاوی اور بعض دینی امور میں رعایت دی گئی ہے۔

خورشید احمد ندیم

تیس روپے اور ’پولیس جسٹس‘

محض تیس روپے کی خاطر دو سگے بھائیوں کے قتل کی خبر سنی تو خون کھول اٹھا۔ دل نے چاہا کہ صبح ہونے سے پہلے انصاف ہو اور مجرم اپنے انجام تک پہنچیں۔ ایک دن کے بعد خبر آئی کہ ’مجرم‘ پولیس مقابلے میں مارے گئے۔

ایک اور ہول ناک خبر نے بھی شدید اضطراب میں مبتلا کیا۔ کھیل کے دوران میں، ’اوور‘ نہ دینے پر مشتعل نوجوان اور اس کے ساتھیوں نے اپنی ہی ٹیم کے کپتان، اس کے بھائی اور ماموں کو قتل کر ڈالا۔ دل نے پھر چاہا کہ انصاف ہو اور ان مقتولین کا قصاص لیا جائے۔ ابھی تک کسی پولیس مقابلے کی خبر نہیں آئی۔

کچھ عرصے سے متواتر ’پولیس جسٹس‘ کی خبریں آ رہی ہیں۔ ڈیڑھ دو ماہ پہلے خاوند کی موجودگی میں ایک خاتون کی اجتماعی عصمت دری کی گئی۔ کچھ دنوں بعد خبر ملی کی تمام مجرم پولیس مقابلے میں مار ڈالے گئے۔ ہر بار یہ بتایا گیا کہ ملزمان کے ساتھیوں نے انھیں پولیس حراست سے چھڑوانے کی کوشش کی۔ ان خبروں نے مجھے ہمیشہ مخمصے میں ڈالا۔ خبر سن کر پہلے تو اطمینان ہوا کہ شتابی سے انصاف ہوا، مگر جیسے جیسے میں غور کرتا گیا، معاملہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا گیا۔ میں ابھی تک اسے حل نہیں کر سکا۔

قانون یہ کہتا ہے کہ پولیس کا کام ملزموں کو گرفتار کرنا، شواہد جمع کرنا اور انھیں عدالت میں پیش کر دینا ہے۔ سزا کا فیصلہ کرنا پولیس کا نہیں، عدالت کا کام ہے۔ عدالت بھی ملزم کو صفائی کا موقع دے گی، جو اس کا قانونی حق ہے۔ اس کے بعد وہ اپنا فیصلہ سنائے گی۔ مشاہدہ، مگر یہ ہے کہ عدالت سال ہا سال بعد فیصلہ سناتی ہے اور قیاس یہ ہے کہ نوے فی صد مجرم قانونی موشگافیوں سے فائدہ اٹھا کر بچ جاتے ہیں، جو تجربہ کار وکیل فراہم

کرتا اور ظاہر ہے کہ اس کا معاوضہ لیتا ہے۔اس کی پیشہ ورانہ اخلاقیات اسے یہ سکھاتی ہیں کہ اسے اپنے موکل کا دفاع کرنا ہے۔یہ کیسے کرنا ہے،اس کے لیے وہ خود اپنی حکمت عملی وضع کرتا اور اسی بات کے پیسے لیتا ہے۔

یہ عدالتی نظام ایک عام آدمی کو مضطرب کرتا ہے۔جب وہ دیکھتا ہے کہ عدالتیں فیصلہ کرنے میں غیر معمولی تاخیر کرتی ہیں اور تاخیر کے بعد، اگر فیصلہ ہو جائے تو وہ اکثر مجرموں کے حق میں ہوتا ہے تو نظام عدل سے اس کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ وہ اس کا ذمہ دار حکومت کو ٹھیراتا ہے۔ تنقید کا سب سے بڑا ہدف پولیس ہوتی ہے۔ پولیس کے بارے میں تاثر یہ ہے کہ وہ مقدمہ درست طور پر تیار نہیں کرتی۔اس میں رہ جانے والا خلا ہمیشہ مجرموں کے کام آتا ہے، جس سے فائدہ اٹھا کر وہ قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں۔تاثر یہ ہے کہ اس تنقید سے بچنے کے لیے حکومت نے عدالت کے اختیارات بھی غیر علانیہ طور پر پولیس کو دے دیے ہیں۔ جہاں جرم سنگین ہو اور مجرموں کا تعین آسان ہو، وہاں مجرم پولیس مقابلے میں اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔اس سے فوری انصاف مل جاتا ہے۔ کیا انصاف کے حصول کا یہ طریقہ درست ہے؟

قانون کی نظر میں تو یقیناً نہیں۔یہ شرعی قانون ہو یا انسان کا بنایا ہوا، سب ملزم کو صفائی کا موقع دیتے ہیں۔ قانون اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ ہم بارہا دیکھتے ہیں کہ بعد میں سامنے آنے والے شواہد ابتدائی تاثر کی نفی کر دیتے ہیں، اس لیے اس باب میں تو دو آرا نہیں ہیں کہ ملزم کو صفائی پیش کرنے کا موقع ملے۔اس کے ساتھ، مگر یہ بھی لازم ہے کہ مظلوم کو انصاف ملے اور اس میں تاخیر نہ ہو۔اس کو یقینی بنانا بھی عدالت کا کام ہے۔عدالت کو جہاں اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ ملزم کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، وہاں یہ تاثر بھی قائم رکھنا ہے کہ عدالت سے مظلوم کی دادرسی ہوتی ہے۔ایک قتل ہو گیا۔ مقتول کے ورثا بدرجۂ اولیٰ مستحق ہیں کہ انھیں انصاف ملے۔اگر عدالتی نظام کا سقم تاخیر کا باعث بنے یا مجرم کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے تو منصف خدا کے ہاں بھی جواب دہ ہے اور عوام کے سامنے بھی۔

ہم جانتے ہیں کہ انصاف نہیں ملتا اور تاخیر بھی ہوتی ہے۔ عوام کو یہ ناانصافی اور تاخیر مضطرب کرتی ہے۔ کبھی جرم کھلے آسمان تلے بے شمار افراد کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بھرے میلے میں قتل ہوتا ہے۔بے شمار لوگ قاتل کو دیکھتے ہیں۔ویڈیو سمیت کئی واقعاتی شواہد بھی موجود ہیں۔اس کے باوجود فیصلہ ہونے میں کئی سال لگ جاتے ہیں۔ عوام اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کے لیے یہ شہادت کافی ہے کہ فلموں میں وہ کردار مقبول ہوتے ہیں جو ماورائے عدالت خود فیصلہ کرتے ہیں۔ سلطان راہی کا ایک جج کے ساتھ مشہور فلمی مکالمہ ہے کہ 'جج صاحب، جرم چوبیس گھنٹے اور عدالت آٹھ گھنٹے، یہ انصاف تو نہیں'۔ پھر جو انصاف

ہوتا ہے، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔

ماوراے عدالت فیصلوں کی تائید نہیں ہو سکتی۔ مسئلہ یقیناً ہے، مگر اس کا حل تفتیش اور عدالتی نظام میں بنیادی تبدیلیاں ہیں۔ اس کے لیے بنیادی قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اگر تفتیش میں بے قاعدگی پائی جائے تو متعلقہ پولیس اہل کار کی کم از کم سزا ملازمت سے برخواستی ہو۔ اسی طرح عدالت کو پابند بنا دیا جائے کہ تمام مقدمات کا ایک مقرر وقت میں فیصلہ کرنا لازم ہے۔ جو جج یہ نہ کر سکے، وہ بھی سزا کا مستحق ہو۔ قصاص میں تو بطور خاص جلدی کرنی چاہیے کہ اسی میں زندگی ہے۔ قتل غیر معمولی جرم ہے، جس کے مجرم کو ایک لمحے کے لیے اس زمین پر گوارا نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس کا فیصلہ، مگر عدالت کرے۔ اگر ہم پولیس کو یہ حق دے دیں گے تو پھر مولا جٹ کو بھی دینا پڑے گا۔ پھر اس نوجوان کو بھی دینا پڑے گا جو باپ کے قاتلوں کو سزا دلوانے کے لیے سال ہا سال عدالتوں میں رلتا اور ایک دن مایوس ہو کر خود مجرموں کو سزا دینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ 'پولیس جسٹس' اگر درست ہے تو 'سٹریٹ جسٹس' غلط کیوں ہے؟

پنجاب کی حکمران جماعت کو میرا مشورہ ہو گا کہ وہ اس حوالے سے فوری طور پر قانون سازی کا اہتمام کرے۔ صوبے کو جرم سے پاک کرنے کا ارادہ، بلا شبہ نیک اور لائق تحسین ہے، اس کا یہ طریقۂ کار، مگر درست نہیں ہو گا کہ پولیس کو عدالت کے اختیارات دے دیے جائیں۔ اس سے انارکی پھیلے گی۔ انصاف قانون کی حکمرانی ہی سے مل سکتا ہے۔ اگر کوئی غیر آئینی طور پر حکمران بن کر یہ چاہے کہ وہ ملک کو لاقانونیت سے پاک کر دے گا تو حسن نیت کے باوجود، یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ ایسا ممکن ہوتا تو جنرل ضیاء الحق پاکستان کے کامیاب ترین حکمران ہوتے، جن کے شخصی کردار کی سب تعریف کرتے ہیں۔

دو بھائیوں اور ان کے ماموں کا قتل اب پولیس اور عدالت کے لیے ٹیسٹ کیس ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پولیس مقدمہ کیسے تیار کرتی ہے اور عدالت کتنے عرصے میں فیصلہ سناتی ہے۔ دونوں کو اپنی ساکھ کا کتنا احساس ہے؟ یا پھر یہ فیصلہ بھی پولیس مقابلے ہی میں ہو گا؟ ہم انتظار کرتے ہیں، پنجاب حکومت کو، مگر انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے لیے فوری طور پر قانون سازی کا آغاز کر دینا چاہیے۔ وہ سماج اور قانون کے ماہرین کی مشاورت سے ایک مسودۂ قانون تیار کرے۔ اس کے لیے میڈیا میں بھی بحث ہو کہ صوبے کو جرم سے کیسے پاک کیا جائے۔ جرم کا سو فی صد خاتمہ ممکن نہیں۔ مقصد مجرم کے دل میں یہ خوف بٹھانا ہے کہ وہ سزا سے بچ نہیں پائے گا۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۳۰/ اگست ۲۰۲۵ء)

محمد بلال

حیات امین احسن

(۲۵)

حمید نظامی

۱۹۶۲ء میں حمید نظامی جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو امین احسن نے انھیں کچھ اس طرح یاد کیا:

’’حمید نظامی مرحوم تھے تو نئی تعلیم کے ثمرات میں سے، لیکن ان کا شمار ان لوگوں میں کیا جائے گا جو اس تعلیم کے برے اثرات سے محفوظ رہے اور جنھوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے قوم و ملت کو بڑے فائدے پہنچائے۔ ان کی صلاحیتیں تحریک پاکستان کے دور میں ابھریں اور اس شان سے ابھریں کہ دیکھتے دیکھتے وہ ایک اخبار نویس کی حیثیت سے پورے ملک کے ذہنوں اور دماغوں پر چھا گئے۔ انھوں نے سنجیدہ اور با اصول اخبار نویسی کی ایک عمدہ مثال قائم کی اور اس طرح اردو صحافت کی آبرو اتنی بڑھائی کہ جو لوگ اردو اخبارات پڑھنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے وہ بھی اردو اخبار پڑھنے لگے۔ ان کی صحافتی زندگی ہر قسم کے نشیب و فراز سے گزری، لیکن وہ اپنے اصولوں سے کبھی منحرف نہیں ہوئے۔ ایک زمانہ میں ان کے زور و اثر کا یہ عالم تھا کہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ وہ وزارت تو در کنار وزارت گری کے مقام تک پہنچ گئے تھے۔ پھر وہ دور آیا کہ ان کے اور ان کے اخبار کے لیے ہر لحظہ خطرہ ہی خطرہ نظر آتا تھا۔ لیکن ان کی سنجیدگی اور توازن اور ان کی جرأت میں کوئی فرق نہ اس حالت سے آیا نہ اس دوسری حالت سے! خود مارشل لاء کے دور میں بھی انھوں نے ملک کے حکمرانوں کو جس اخلاص اور جس جرأت کے ساتھ مشورے دیے ہیں اور جس صاف گوئی کے ساتھ قابل تنقیدیں کی ہیں اس کی قدر اسلام اور جمہوریت کا ہر قدردان کرے گا اور ہمیشہ کرے گا۔ وہ اس

معاملہ میں اسلام اور جمہوریت کے تمام مدعیوں پر بازی لے گئے اور نہایت شاندار بازی لے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان نیکیوں کو قبول فرمائے اور ہمارے ملک کی صحافت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے! ماہنامہ میثاق لاہور، مارچ ۱۹۶۲ء۔‘‘ (مقالات اصلاحی ۴۲۱/۲)

مولانا محمد یوسف

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس کے بیٹے اور جانشین اور امیر تبلیغ جماعت مولانا محمد یوسف کی ۱۹۶۵ء میں وفات ہوئی تو امین احسن نے حسب ذیل الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا:

’’مولانا مرحوم کو اپنے مقصد زندگی، تبلیغ دین، سے جو سچا لگاؤ تھا اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔ وہ اس معاملے میں اپنے نامور باپ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جانشین تھے۔ وہ ایک لمحہ بھی اپنے اس مشن سے الگ ہو کر زندگی گزارنا گناہ سمجھتے تھے۔ ان کی تقریروں کے فقرے فقرے سے ان کی طبیعت کا جوش اور عزم ابلتا تھا۔ ان کے وعظ و بیان میں ایسی تاثیر و تسخیر تھی کہ وہ عام آدمیوں کے اندر سے تبلیغ و دعوت کے لیے بے شمار بوڑھوں اور جوانوں کو کھینچ لیتے تھے جو جماعتیں بنا بنا کر اپنے خرچ اور اپنے اہتمام سے اللہ کا کلمہ پہنچانے کے لیے نہ صرف پاکستان و ہندوستان کے شہروں اور دیہاتوں میں، بلکہ افریقہ، یورپ، امریکا، آسٹریلیا، چین اور جاپان تک نکل جاتے تھے۔

رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کا جو سالانہ اجتماع ہوتا ہے، میں اس میں ایک دو بار شریک ہوا ہوں۔ اس کے لیے کسی پبلسٹی کا اہتمام میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اخبارات میں نہ اس کے آغاز کی خبر آتی ہے نہ اختتام کی۔ لیکن اس قسم کا کوئی اہتمام نہ ہونے کے باوجود ایک دیہات میں ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے ہیں، جن میں صرف ملک ہی کے ہر حصے کے نمائندے نہیں، بلکہ دوسرے ملکوں کے نمائندے اور وفود بھی ہوتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اس میں صرف عوام ہی نہیں ہوتے بلکہ علماء، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ، تاجر، کاروباری، ملازمت پیشہ، غرض ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں اور ان سب کو ایک جنگل میں کھینچ کر جمع کر لینے والی ہستی صرف مولانا مرحوم کی پرکشش ہستی تھی۔ بس ان کا نام سن کر لوگ جمع ہو جاتے تھے اور ان کے وعظوں سے بہتوں کے اندر تبلیغ دین کے لیے اتنی گرمی پیدا ہو جاتی تھی جو سال بھر ان کو متحرک رکھتی تھی۔ ایسی بافیض ہستی کا اچانک ہمارے اندر سے یوں اٹھ جانا دینی نقطۂ نظر سے ایک عظیم سانحہ ہے۔ ماہنامہ میثاق لاہور، اپریل ۱۹۶۵ء۔‘‘ (مقالات اصلاحی ۴۱۶/۲)

مولانا احمد علی لاہوری

فروری ۱۹۶۲ء میں مولانا احمد علی لاہوری کی وفات ہوئی۔ امین احسن نے اس موقع پر لکھا:

''ان کی زندگی گوشہ نشینی کی زندگی نہیں تھی، بلکہ جہاد اور عمل کی زندگی تھی۔ انھوں نے تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد ہر جہت سے اسلام کی خدمت کی اور وفات کے روز تک اسی خدمت میں مصروف رہے۔ حق کے معاملہ میں مداہنت اور مصلحت پرستی کے قائل نہیں تھے۔ اس وجہ سے جوانی اور بڑھاپے، دونوں میں قید و بند کے مصائب سے دوچار ہوئے اور مومنانہ عزیمت کے ساتھ ان مصائب کے مقابلہ کی توفیق پائی۔ ان کی زندگی فقر و درویشی کی زندگی تھی اور، جہاں تک ہمیں علم ہے، انھوں نے اسی فقر و درویشی کی وراثت اپنے آل و اولاد کی طرف بھی منتقل فرمائی۔ ہمارے نزدیک کسی شخص کے عالم حقانی ہونے کی یہ ایک ایسی شہادت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمان تلمذ یا بیعت کی نسبت رکھتے تھے جن میں امیر و غریب سب ہی قسم کے لوگ تھے، لیکن اس مرجعیت اور مقبولیت کے باوجود وہ اس دنیا سے جس شاندار استغناء کے ساتھ دامن جھاڑ کے اٹھے ہیں وہ کم از کم اس دور دنیا پرستی میں بڑی چیز ہے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک بے مثال چیز قرار دیتا اگر اس وقت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ یاد نہ آ گئے ہوتے جو ابھی کل ہی ہم سے رخصت ہوئے ہیں۔ وہ بھی اپنے اندر سطوت تو فاتحوں کی رکھتے تھے، لیکن زندگی انھوں نے قلندروں کی طرح گزاری اور اسی قلندرانہ شان کے ساتھ جان جان آفرین کے سپرد کی۔ ماہنامہ میثاق لاہور، مارچ ۱۹۶۲ء۔'' (مقالات اصلاحی ۲/ ۴۱۹)

مولانا سید داؤد غزنوی

دسمبر ۱۹۶۳ء میں مولانا سید داؤد غزنوی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا کی رحلت پر امین احسن نے ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا:

''مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ایک نامور خانوادۂ علمی و دینی کی نہایت شاندار روایات کے حامل تھے۔ ان کی شخصیت بڑی جاذب و پرکشش تھی۔ علماء کے طبقہ میں جو چند اشخاص دین اور دنیا دونوں پر نگاہ رکھنے والے تھے، ان میں ان کو ایک امتیاز کا درجہ حاصل تھا۔ ان کے ظرف اور ان کی نگاہ، دونوں میں بڑی وسعت تھی۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ وہ دل سے خواہاں رہے اور اس سلسلہ کی تمام مساعی میں ہر شخص کی نظر سب سے پہلے علماء کے طبقہ میں

انھی کی طرف اٹھتی تھی۔ وہ شروع سے ایک عملی انسان تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں جو قومی و مذہبی تحریکیں اٹھیں ان میں وہ پوری سرگرمی کے ساتھ شریک ہوئے اور اس راہ میں جو مصیبتیں پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ جمعیت اہل حدیث کے لیے ان کی حیثیت روح رواں کی تھی۔ اپنی بھاری بھر کم شخصیت سے انھوں نے ایک بہت بڑے خلا کو بھر رکھا تھا جو اب ان کی وفات کے بعد پھر بشکل خلا ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان کے اعزہ کو صبر جمیل سے نوازے اور ہماری قوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے! ماہنامہ میثاق لاہور، دسمبر ۱۹۶۳ء۔''

(مقالات اصلاحی ۴۲۶/۲)

شورش کاشمیری

شورش کاشمیری صاحب کو لاہور سے ۲۲/ جنوری ۱۹۷۳ء کو امین احسن نے خط میں لکھا:

''عنایت نامہ موصول ہوا۔ اس حسنِ ظن کریمانہ کے لئے دل سے شکر گزار ہوں۔ اس دوران میں آپ کے خطرناک اقدام کے سبب سے بڑی الجھن رہی۔ بارہا دل چاہا کہ عریضہ لکھ کر اپنا فرضِ خیر خواہی ادا کروں، لیکن لیڈر لوگوں کو خط لکھتے ہوئے دل بہت ڈرتا ہے۔ بہر حال بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے مخالفوں کو خوش ہونے کا موقع نہیں دیا۔ زندگی اللہ کی امانت ہے۔ آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ اس کو ہر داؤں پر لگا دیں۔

...اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ قرآن کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ارادہ میں برکت دے۔ آپ یہ کام شروع کریں تو میں آپ کے لئے ہر نماز میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان اور آپ کے قلم کو اس خدمت میں لگا دے۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۲۶)

صدر ایوب خان

امین احسن صدر ایوب خان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ایک اداریے میں لکھتے ہیں:

''صدر ایوب خان مرحوم نے ایک مرتبہ گورنر ہاؤس میں بلوایا تو ان کے چہرے بشرے سے بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ حکمران ہیں۔ ان کی خاکساری اور تواضع میں بھی حکمرانی جھلکتی تھی اور میرے نزدیک یہ کوئی عیب کی بات نہیں بعض لوگوں میں مصنوعی تواضع بھی ہوتی ہے یعنی تواضع کا اظہار کرتے ہیں But with greater pride۔ جس طرح ایک فلسفی کسی بادشاہ کے دربار میں گئے تو نہایت قیمتی قالینوں پر اپنا میلا جوتا

رگڑنے لگے۔ بادشاہ نے پوچھا، بزرگوار، یہ کیا حرکت ہے، انھوں نے جواب دیا: اس طرح میں تیرے غرور کو پامال کر رہا ہوں۔'' (سہ ماہی تدبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۵)

۲۵؍ نومبر ۱۹۸۹ء کو اپنی ہفتہ وار نشست میں امین احسن نے صدر ایوب خان کی ظاہری شخصیت کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا:

''شخصیت کے اعتبار سے ان کا احترام اس لیے کرتا تھا کہ جب سربراہان مملکت کی تصویریں آتی تھیں تو میں دیکھ کر کے خوش ہوتا تھا۔ بڑا اجلال، بڑی تمکنت تھی ان میں۔ حکمران ہو تو ایسا ہو۔''

چودھری محمد علی

پاکستان کے چوتھے وزیر اعظم چودھری محمد علی کے بارے میں امین احسن ایک اداریے میں لکھتے ہیں:

''مجھے حکمرانوں سے کبھی راہ و رسم نہیں رہی۔ البتہ اس ملک کے ایوانِ وزارت اور ایوانِ صدارت میں جو لوگ پہنچے ان میں چودھری محمد علی صاحب سے میرے بھی تعلقات تھے۔ وہ بہت فرشتہ آدمی تھے، لیکن ان کے بارے میں وہی بات کہی جا سکتی ہے جو شاہ ولی اللہؒ نے حضرت علیؓ کے بارے میں لکھی ہے کہ جناب امیرؓ خلیفہ راشد ضرور تھے، لیکن آنجناب کی خلافت منعقد نہیں ہوئی۔'' (سہ ماہی تدبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۵)

مولانا عبد الماجد دریابادی

لاہور سے ۱۶؍ فروری ۱۹۶۷ء کو محمود احمد لودھی صاحب کے نام خط میں امین احسن نے مولانا عبد الماجد دریابادی کے حوالے سے لکھا:

''تفسیر کے متعلق ادھر بعض بزرگوں کی رائیں بھی موصول ہوئی ہیں اور بغیر میری طرف سے کسی تحریک کے ان میں مولانا عبد الماجد دریابادی کی رائے بھی ہے۔ مجھے ان سے اس تحسین کی توقع نہیں تھی جو انھوں نے فرمائی ہے۔ ان لوگوں کی ان رایوں کے بعد اب طبیعت تفسیر کے لئے بالکل یکسو ہو گئی ہے۔ ماجد میاں نے تو اس کو اسلاف کے کاموں کی صف میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سعادت تمہارے ہی لئے مخصوص تھی۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۸)

اسی طرح ۲۲؍ فروری ۱۹۸۲ء کو محمد احسن خان کے نام خط میں امین احسن نے لکھا:

''ماجد صاحب کی کتاب پڑھنے کا شوق آپ نے پیدا کر دیا۔ دیکھئے کہیں مل گئی تو پڑھنے کی کوشش کروں گا۔

اس طرح کی چیزیں آپ کے واسطہ سے مجھے ملتی تھیں۔ اب یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جو میری خاطر یہ اہتمام کرے۔‘‘(سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۲۹)

سید قطب اور اخوان

۳۱؍ جولائی ۱۹۶۶ء کو لاہور سے محمود احمد لودھی صاحب کے نام خط میں امین احسن سید قطب اور اخوان کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’اخوان کے متعلق پہلے میری رائے اچھی تھی، لیکن اب تو وہ شاہ فیصل کے آلۂ کار ہیں۔ رابطہ اسلامی وغیرہ کے پردے میں ان کا کام صرف جمال عبدالناصر کے خلاف پروپیگنڈا کرنا رہ گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی کسی جماعت کو کوئی حکومت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ جنیوا میں ان کا مرکز سو فیصدی شاہ فیصل کے روپے سے چل رہا ہے۔ دین کی مدعی جماعتیں جب یہ کھیل کھیلنے لگتی ہیں تو ان کا انجام نہایت خوف ناک ہوتا ہے۔ یہ نہ خیال فرمائیے کہ یہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں کسی بدگمانی پر مبنی ہے، بلکہ اب تو سارے حالات ریکارڈ پر آ چکے ہیں۔‘‘(سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۱)

۲۹؍ اگست ۱۹۶۶ء کو لاہور سے محمود احمد لودھی صاحب کے نام خط میں اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

’’اخوان اور مصر کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں۔ یہاں جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کی نوعیت زیادہ تر پروپیگنڈے کی ہے۔ مصر میں اخوان کی قوت اب بہر حال اتنی نہیں ہو سکتی کہ اس سے لڑنے کے لیے جمال عبدالناصر خواہ مخواہ کا دردِ سر مول لیں۔ البتہ باہر کے اخوان کے ساتھ ان کا ربط ان کے لیے وجۂ بدگمانی اور باعثِ مصیبت ہو سکتا ہے مجھے اچھی طرح علم ہے کہ سعید رمضان اور شاہ فیصل کے زیر اثر اور ان کے روپے سے کام کر رہے۔ یہی لوگ مصر کے اخوان کے لیے وجۂ ابتلا بنے ہوں گے۔ باہر کے ممالک سے ادنیٰ ربط، بلکہ اس کا وہم بھی بڑے خطرات کا باعث ہو سکتا ہے، بالخصوص، جبکہ باہم رقابت ہو۔ حکومتیں اس طرح کے معاملات میں بڑی حساس ہوتی ہیں۔ ع

عشق است و ہزار بدگمانی!‘‘

(سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۲)

محمود احمد لودھی صاحب کے نام ایک اور خط میں امین احسن نے لکھا:

’’بھائی، آج اخبارات میں سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی دیے جانے کی خبر پڑھ کر جو صدمہ پہنچا

ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ حرکت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دل شیطان کی مٹھی میں ہوں اور جو نہایت کمینے اور بزدل ہوں۔ اللہ تعالیٰ مصر کے مسلمانوں پر رحم کرے جو پھر فرعون کے پنجے میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اس اقدامِ شنیع کے لیے کوئی ادنیٰ جواز بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ جس دنیا پر ایسے قسی القلب اور تنگ ظرف لوگ حکمران ہوں اس میں جینے سے زیرِ زمین دفن ہو جانا بہتر ہے۔ آج میرے اعصاب پر نہایت برا اثر ہے اللہ کے سوا اس ظلم کی فریاد کس سے کی جا سکتی ہے!'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۲)

شاہ فیصل

سعودی عرب کے شاہ فیصل کو ۶۸ برس کی عمر میں ۲۵/ مارچ ۱۹۷۵ء کو ان کے بھتیجے نے شہید کر دیا تھا۔ وہ مسلمان ممالک کے رہنماؤں میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ امین احسن نے جنرل ضیاء الحق کی وفات پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے شاہ فیصل کے بارے میں لکھا:

''مسلمان حکمرانوں میں شاہ فیصل مرحوم کا ایک بین الملی مقام تھا۔ ان کی پیشانی کی شکنیں ملت کے افکار کی شکنیں تھیں۔ وہ بڑے مدبر اور مسلمان ممالک کے سرپنچ کی حیثیت رکھتے تھے۔''

(سہ ماہی تدبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۸)

ذوالفقار علی بھٹو

۹/ اگست ۱۹۹۰ء کو اپنی ہفتہ وار نشست میں ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے امین احسن نے کہا:

''جہاں تک مقدمے کا تعلق تھا، میں اس میں بھٹو صاحب کا بہت حامی تھا۔ مشتاق حسین سے بڑا دشمن اس ملک کا کوئی پیدا نہیں ہو گا۔ بدترین جج ہے یہ۔ اور ضیاء صاحب پر بھی غصے ہوتا تھا کہ آخر یہ دیکھتے ہیں، جانتے بوجھتے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس سے بڑی افسوس ناک بات کیا ہے۔ اور مجھے پورا یقین تھا کہ اب ہمارے درمیان اور سندھ کے درمیان دشمنی کی مستقل بنیاد قائم ہو جائے گی۔ پھر جس کو ڈھانا ممکن نہیں ہو سکے گا۔ اس وجہ سے میں اس زمانے میں بہت تشویش میں مبتلا تھا اور مجھے یاد ہے کہ میں دروازے سے نکل رہا تھا کہ کسی نے اطلاع کی کہ بھٹو صاحب کو جو آخری کارروائی ہوتی ہے وہ منظور نہیں ہوئی، اب پھانسی کا فیصلہ ہو گیا۔ تو میرا ایسا حال ہوا کہ لڑکھڑا کے گر پڑوں گا۔''

جنرل ضیاءالحق

جنرل ضیاءالحق جب ایک ہوائی حادثے میں اچانک دنیاے فانی سے کوچ کر گئے تو امین احسن نے ان پر حسب ذیل تفصیلی تحریر لکھی:

''صدر مملکت جنرل محمد ضیاءالحق شہید رحمۃ اللہ علیہ اور افواجِ پاکستان کے چیدہ جرنیلوں اور افسروں کی بہاولپور کے قریب ہوائی حادثہ میں رحلت ہمارے لیے ایک عظیم قومی سانحہ ہے۔ یہ سب اپنے فرائضِ منصبی ادا کرتے ہوئے ایک اچانک موت سے دوچار ہوئے۔ اس خاص صورت حال کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ ان سب کے لئے تو یہ بہت بڑی سرفرازی ہے، لیکن ہمارے ملک میں ان کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے بھرے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے شر سے بھی خیر پیدا کر دیتا ہے۔ اگر وہ ہمارے اوپر مہربان ہو جائے تو عجب نہیں کہ اس سانحہ سے بھی ہماری قوم کے لیے بہتری کے کچھ آثار پیدا ہو جائیں۔

یوں تو ان تمام شہداء میں سے ایک ایک فرد ہماری قوم کے لیے نہایت قیمتی تھا، لیکن صدر مملکت جنرل محمد ضیاءالحق کا اس حادثہ میں جاں بحق ہو جانا بوجوہ نہایت صدمہ کی بات ہے۔ وہ گیارہ سال سے اس ملک کے حکمران تھے۔ ملکی معاملات ان کی گرفت میں تھے اور بعض بین الاقوامی معاملات کی وہ بذاتِ خود نگرانی کر رہے تھے۔ منظر سے ان کا یک لخت ہٹ جانا ملک کو کئی پیچیدہ مسائل سے دوچار کر سکتا ہے۔ خدا کرے کہ ان کی رحلت کے باعث جو خلا پیدا ہوا ہے ہماری قوم اس کو پُر کرنے کی توفیق پائے۔

ضیاء صاحب کو قریب سے دیکھنے کا مجھے موقع نہیں ملا، بلکہ پہلے کبھی ان سے شناسائی بھی نہیں رہی۔ میں ان کی زندگی کے اسی دور سے واقف ہوں جب وہ اس ملک کے حکمرانِ مطلق تھے اور کوئی ان کے حکم کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ حکمران بھی وہ کسی چھوٹے ملک کے نہیں، بلکہ ایک بڑے ملک کے تھے جو دنیا کے جغرافیے میں ایک بڑا مقام رکھتا ہے۔ دورِ حکمرانی بحیثیت انسان کسی آدمی کے امتحان کے لیے فی الحقیقت موزوں ہوتا ہے۔ ہماشما غریب لوگوں کے اندر انسانیت، خاکساری اور تواضع ہو تو لوگ بجا طور پر اسے عصمت بی بی از بے چادری پر محمول کرتے ہیں۔ معمولی لیڈروں کو میں نے دیکھا ہے کہ کچھ آدمی ان کے پیچھے چلنے والے اور ان کا کلمہ پڑھنے والے مل جائیں تو ان کی بھویں تن جاتی ہیں، پیشانی پر شکن آ جاتی ہے۔ چہرے پر عبوست طاری ہو جاتی ہے، چال میں کچھ تبختر آ جاتا ہے، گھر سے نکلتے ہیں تو نہ جانے کتنی بار آئینہ دیکھتے ہیں۔ نئے لوگوں سے ملنے کا امکان ہو تو

بڑے رکھ رکھاؤ سے کام لیتے ہیں۔اس کے برعکس ضیاء صاحب کو میں نے خود بھی دیکھا ہے، اس کے علاوہ لوگوں سے سن کر اور اخباروں میں ان کے واقعات پڑھ کر میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ ان کے اند بے مثال انسانیت تھی۔وہ نہایت بے تکلف انسان تھے جس سے ملتے بڑی تواضع، بڑی ملنساری، بڑی سادگی اور نہایت بے تکلفی سے ملتے۔کوئی شخص ان سے بات کرتے ہوئے ذرا بھی حجاب محسوس نہیں کرتا تھا۔وہ ہر بات حتیٰ کہ اعتراض کا جواب بھی مسکرا کر اور کھلکھلاتے ہوئے دیتے۔کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ ملک کے حکمران ہیں۔میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ان کی آئینی مجبوریاں اور پروٹوکول اور سیکیورٹی کے تقاضے نہ ہوتے تو وہ قرونِ اولیٰ کے بادشاہوں کی طرح سڑکوں پر بھی پھرتے۔

پچھلے سال جب انہوں نے مجھ سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔ایک جنرل صاحب ان کا پیغام لے کر آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں کہیں آتا جاتا نہیں اور اگر صدر صاحب سے ملاقات ہو بھی گئی تو مجھ جیسے بہرے آدمی سے وہ بات کیا کریں گے۔

میرے اس کورے جواب کو محسوس کرنے کے بجائے انہوں نے پیغام بھیجا کہ اگر ضرورت ہو تو علاج کے لیے ڈاکٹر اور کان میں لگانے کے لیے آلۂ سماعت بھیج دیا جائے۔نیز ملاقات کے لیے میرے اسلام آباد جانے کی ضرورت نہیں ہوگی، صدر صاحب جب لاہور آئیں گے تو خود مل لیں گے۔میں نے سمجھا کہ بات آئی گئی ہو چکی ہے، لیکن وہ نہیں بھولے تھے۔جب لاہور آئے تو مجھے ملنے کے لیے میرے مکان پر تشریف لائے۔ان کے آنے میں تو بلاشبہ وہی شان شکوہ تھا جو موجودہ زمانے کا تقاضا ہے، لیکن جب وہ گاڑی سے اترے تو نہایت بے تکلفی سے ملے۔میں نے صرف مصافحہ کرنا چاہا، لیکن انہوں نے بڑی محبت سے سینے سے لگایا۔گفتگو کے دوران بار بار اس بات کا اظہار فرماتے رہے کہ ایک عرصہ سے ملاقات کا شوق تھا، میں ہرگز کسی غرض کے لیے یہاں نہیں آیا۔میں نے کہا یہ غرض بھی تو ہو سکتی ہے کہ آپ ایک طالب علم کی عزت بڑھانا چاہتے ہوں۔

جاتے ہوئے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔میں نے کہا آپ جب بھی تشریف لائیں گے میری عزت ہی بڑھے گی، اس میں میرا تو کوئی نقصان نہیں۔اس ملاقات کے بعد بالواسطہ خیریت دریافت کرتے رہے، لیکن ملنے کا موقع نہیں ملا۔

ضیاء صاحب، واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ بھی تھے اور اس کے ساتھ ان کے اندر کمال درجہ انسانیت بھی تھی۔غریب اور بیوہ عورتیں ان تک پہنچ جاتیں۔مظلوم لوگ ان تک رسائی حاصل کر لیتے۔راستہ چلتے ہوئے کوئی شخص درخواست لے کر کھڑا ہوا نظر آ جاتا تو اپنی کار روک کر اس سے بات کرتے۔غریبوں کا درد ان کے

اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ غریب خاندان سے آئے تھے۔ کتنے لوگ ہیں جو غریب ہوتے ہیں، لیکن انھیں غریبوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ضیاء صاحب بنفسہٖ شریف اور ہمدرد انسان تھے۔''(سہ ماہی تدبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۳)

۲۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء کی بات ہے۔اپنی ہفتہ وار نشست میں اسی جنرل ضیاء الحق کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے امین احسن گویا ہوئے:

''اس ملک میں اعلیٰ قیادت کے مقام پر یہی ایک شخص ایسا آیا تھا کہ جو جری بھی تھا، علی الاعلان مسلمان تھا۔علانیہ، مخفی مسلمان تو بہت تھے۔ علی الاعلان مسلمان تھا۔اور بہر حال ملک کی باگ اس کے ہاتھ میں دینے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔یہ بھی گمان ہی تھا کہ وہ اسلام ہی کی طرف لے جائیں گے۔اور بڑے جری آدمی تھے۔ جری آدمیوں سے مجھے بہت دلچسپی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بڑا کمزور آدمی ہوں۔''

اپنی ہفتہ وار نشست میں صوبہ سندھ کے حالات اور جنرل ضیاء الحق کے انتظام کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے امین احسن نے کہا:

''آپ کو یہ معلوم ہے کہ سندھ کا معاملہ بالکل خطرے میں تھا۔سب مایوس ہو گئے تھے۔ضیاء صاحب مرحوم نے بھی کہہ دیا تھا کہ کوئی حکومت بھی اس کو نہیں سنبھال سکتی۔بلکہ میں تو اس کے بعد اتنا مایوس ہوا تھا کہ میں نے کہا کہ جب ہمارا شیر دل یہ کہہ رہا ہے جو راتوں رات الٹ پلٹ کر کے دنیا ادھر سے ادھر کر دیتا ہے پھر تو اس کے بعد کیا توقع ہے۔لیکن واقعہ ہے کہ میں نے کئی آدمیوں سے پوچھا تو یہ معلوم ہوا کہ اس شیر دل نے سندھ میں ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حیدر آباد میں بھی اور کراچی میں بھی اندرون سندھ میں، پورے ملک میں سرحدوں پر بھی کہ لوگ کہتے ہیں کہ اب آسان نہیں ہے کوئی فساد کرنا۔ڈاکوؤں کا بھی راستہ روک لیا ہے بالکل۔ سعید (بیٹا) کے لفظوں میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ ہے۔ہر جگہ مورچے بنا دیے۔یہی ایک طریقہ ہو سکتا تھا۔تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس کا تو امکان ہو سکتا تھا۔اگر وہ ہو جائے تو میرے نزدیک وہی علاج ہے۔''

ابوسفیان اصلاحی، جنرل ضیاء الحق کے بارے میں امین احسن کے ساتھ اپنی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ مولانا نے گفتگو کے درمیان بتایا کہ اسی جگہ صدر مرحوم ضیاء الحق تشریف لائے تھے اور انھوں نے مجھ سے یہ کہا کہ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ آپ ہفتہ میں کسی ایک دن ٹی وی پر درس قرآن دیا کریں۔میں نے جواب دیا کہ میرے درس کے بعد رقص کا سلسلہ شروع ہو، میں ایسا درس دینے سے قاصر

ہوں۔ ضیاء الحق صاحب کے مطالعہ میں ''تدبر قرآن''، مستقل رہا کرتی تھی۔''

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۸۸)

کوثر نیازی

لاہور سے ۸/ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو حمید الرحمٰن صاحب کو امین احسن کوثر نیازی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کوثر صاحب کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری ہے اس وجہ سے اس کی بابت میں کچھ نہیں عرض کر سکتا کہ اس میں میری طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ صحیح ہے یا غلط اور میرے لیے یہ محاکمہ بھی مشکل ہے کہ مولانا مودودی صاحب حق پر ہیں یا کوثر صاحب۔ میری واقفیت اب ان دونوں ہی حضرات سے محض برائے نام ہے اور جس حد تک ہے وہ نہایت مایوس کن ہے۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ٦٦)

عبدالرزاق صاحب اپنی ۲۵/ مارچ ۱۹۹۴ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''مولانا نے کہا کہ انھیں کوثر نیازی صاحب کی وفات کا بڑا دکھ ہوا ہے۔ انہوں نے کوثر نیازی کی تعریف کی اور کہا کہ کچھ معاملات میں ہم میں اختلاف بھی رہے، مگر میں نے اس سے تعلقات نہیں توڑے۔ کوثر نیازی بھی جب مجھے ملتے، ادب واحترام ہی سے ملتے تھے۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۷۸)

کوثر نیازی صاحب نے جماعت اسلامی سے کیا سیکھا؟ ایک انٹرویو میں انھوں نے کہا:

''سیکھا میں نے ضرور ان سے، مولانا اصلاحی سے بہت سیکھا۔ جب ہم جیل میں تھے، سات آٹھ ماہ، قرآن حکیم ان سے پڑھا، ''حجۃ البالغہ'' کا درس دیتے تھے۔ حضرت مولانا اصلاحی صاحب۔ مولانا کے درس میں، میں بالالتزام شریک رہا، ... یہی ہم سنتے تھے، پڑھتے ہیں کہ فلاں فلاں کے درس میں کوئی اتنے سال بیٹھا تو یہ شاگردی کا ایک انداز ہے۔'' (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مرتب: احمد منیر، ص ۱۱۴)

Monthly
ISHRAQ
Lahore

October 2025
Vol.37 No.10
Regd. No. CPL-183

Publisher: javed Ahmad Ghamidi. Printers: Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

ماہنامہ ''اشراق'' کی اشاعت کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ ''اشراق'' کی تاریخ بہت درخشاں ہے۔ اِس نے دین کی علمی خدمت کے کارہاے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اِس نے دین کی اشاعت وفروغ میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اِس نے اپنے قارئین کے شعوری افق میں نئے در وا کیے ہیں۔ اِس نے دین کے ساتھ وابستگی کو رواجی سے اٹھا کر شعوری اور قلبی بنایا ہے۔ شکست خوردگی کے آزار کا درماں بنا ہے۔ دین سے دوری کے اسباب کا سد باب کیا ہے۔ دین پر اعتماد کو بحال کیا ہے۔ غرض یہ کہ دین کی ہمہ جہت خدمت اِس کا منشور ہے۔

قارئین ہر جریدے کی زندگی کا سبب ہیں۔ جو لوگ ''اشراق'' کے ساتھ وابستہ ہیں، وہ اِس کے دست و بازو بھی ہیں۔ ''اشراق'' کی انتظامیہ توقع کرتی ہے کہ اِس کے قارئین اِس کی دعوت کے نقیب بھی بنیں۔

البیان

یہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ ہے۔ آں سوے افلاک کے اِس شہ پارۂ ادب کا حسن بیان تو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ مصنف نے، البتہ اِس ترجمے میں یہ کوشش کی ہے کہ اِس کا مدعا نظم کلام کی رعایت سے اردو زبان میں منتقل کر دیں۔ تراجم کی تاریخ میں یہ اِس لحاظ سے پہلا ترجمۂ قرآن ہے کہ اِس میں قرآن کا نظم اُس کے ترجمے ہی سے واضح ہو جاتا ہے۔ اِس کے لیے مزید کسی شرح و وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ترجمے کے حواشی زیادہ تر استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کا خلاصہ ہیں۔ مصنف کا نقطۂ نظر جن مقامات پر اُن سے مختلف ہے، وہ بھی کم نہیں ہیں۔ اہل نظر تقابلی مطالعے سے اُنھیں خود متعین کر سکتے ہیں۔ ترجمہ و تفسیر کی کتابوں میں ہر جگہ اِس کا اظہار ممکن نہیں ہوتا۔

امید ہے کہ نظم کلام کے ساتھ قرآن کے اسلوب بیان کا جلال و جمال بھی ارباب ذوق اِس ترجمے میں کسی حد تک جلوہ فرما دیکھ سکیں گے۔

میزان

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ کم و بیش ربع صدی کے مطالعہ و تحقیق سے مصنف نے اِس دین کو جو کچھ سمجھا ہے، وہ اپنی اِس کتاب میں بیان کر دیا ہے۔

المورد
ادارۂ علم و تحقیق